بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم الایمان

سلام وملاقات کی حقیقت

مصنف
مولانا مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحیؒ
(صدر شعبۂ تخصص والدعوہ، دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد)

ناشر: عظیم بک ڈپو، نزد جامع مسجد دیوبند، یوپی

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ سلام وملاقات کی حقیقت

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی

زیر سرپرستی:۔ مولانا مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحیؒ

مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی

سنہ طباعت:۔ ۲۰۱۳ء

تعداد اشاعت:۔ 500

کمپیوٹر کتابت:۔ النور گرافکس

ناشر:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔ 09997177817

☆☆☆☆☆

فہرست مضامین

برائے مہربانی کتاب میں عنوانات ملاحظہ کیجئے

اَلسَّلَامُ (وہ ذات جو سراپا سلامتی ہے)

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ۔

اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تجھی سے سلامتی ہے، تو بابرکت ہے، اے بزرگی اور کرم والے۔(مسلم)

اللہ تعالیٰ کی ذات سلامتی دینے والی ہے، اس میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔(بیہقی)

اَلسَّلَامُ: یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے، اس کے معنیٰ ہیں سلامتی دینے والا، مکمل حفاظت کرنے والا، سلامتی سے مراد حفاظت، عافیت، اطمینان، سکون، راحت، بے خوفی، ویسے اللہ تعالیٰ کی ہر صفت سلامتی ہی سلامتی والی ہے۔

☆ جب انسان عقل کا استعمال نہ کرکے، جان بوجھ کر نفس کی یا شیطان کی یا باپ دادا کی اندھی غلامی کرے یا جاہلانہ رسم و رواج کی پابندی کرے تو اس پر سے اللہ تعالیٰ کی سلامتی کا فیضان ہٹنا شروع ہوجاتا ہے اور وہ بے اطمینانی، بے سکونی، خوف، ڈر، بے چینی، مصیبت، ناامیدی اور ناشکری میں مبتلا رہتا ہے، اس کو نیکیوں سے گھبراہٹ اور گناہوں میں لذت محسوس ہونا شروع ہوجاتی ہے اور وہ سکون و راحت اور سلامتی حاصل کرنے کے لئے شیطانی کام ناچ، گانا بجانا، شراب، زنا، عشق و عاشقی کی فلمیں، ناولیں اور رسالے جیسی چیزوں میں وقت گذارتا ہے، اللہ کی اطاعت و عبادت سے گھبراتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ جو ذات حقیقی چین، سکون اور سلامتی دینے والی ہے اسی سے رجوع کریں اور ہر لمحہ و ہر گھڑی ایمان کی سلامتی و عافیت، اسلام کی بقاء، تقویٰ و پرہیزگاری کی حفاظت اور اعمالِ صالحہ پر برقراری کے لئے دعائیں مانگتے رہیں۔

☆ انسان کو سلامتی و عافیت، ایمان قبول کرنے اور اسلام پر زندگی گذارنے سے ہی ملتی ہے اور وہ اللہ کی عبدیت و بندگی کرنے میں ہر لمحہ ہر گھڑی سلامتی ہی سلامتی کا محتاج ہے، جب انسان پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی کا فیضان ہوتا ہے تو وہ اسلام پر چلتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتا ہے اور اللہ کی عبدیت و بندگی کرتے ہوئے قلبی سکون کے ساتھ مطمئن زندگی گذارتا ہے، وہ نیکیاں کرکے خوش ہوتا ہے اور اللہ کی نافرمانی سے گھبراتا ہے، اس کا ہر عمل ہر

قدم جنت کی تیاری اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہوتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سلامتی ہی سلامتی دینا چاہتا ہے، اس لئے اس نے انسانوں کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا اور انسانوں کے دین کا نام بھی اپنے نام کی مناسبت سے اسلام ہی رکھا، یعنی وہ مذہب جو سلامتی و عافیت کا راستہ بتلاتا اور چلاتا ہے، بیشک اللہ نے دین اسلام میں جتنے احکام و عبادات کا حکم دیا اور جتنے اخلاق و معمولات کی تعلیم دی ہے وہ سب سراسر سلامتی ہی سلامتی والے ہیں، ان پر چل کر انسان دنیا میں بھی سکون، راحت، اطمینان، بے خوفی، مصیبتوں سے دور زندگی گذار سکتا ہے، اسی لئے اللہ نے ایمان والے بندوں کو اپنی سلامتی حاصل کرنے، رات دن اس کی سلامتی و عافیت میں رہنے کے لئے آپس میں بار بار سلام کرنے کے طریقہ کی بھی تعلیم دی ہے، تاکہ ایمان والے بندے سلام کر کے اس کی سلامتی و عافیت حاصل کرتے رہیں۔

☆ سلام کرنے کے علاوہ اپنے ایمان والے بندوں کو وہ مختلف عبادات و اطاعت کے ذریعہ بھی مسلسل اپنی رحمتوں میں رکھ کر سلامتی عطا کرتا رہتا ہے، وہ الشکور ہے، اپنے فرمانبردار بندوں کی بڑی قدر کرتا ہے، بندہ جب وضو کرتا ہے، غسل کرتا ہے، طہارت کے ذریعہ پاکی حاصل کرتا ہے تو سکون و راحت پاتا ہے، اس کی روح کو تازگی اور پاکیزگی حاصل ہو کر اطمینان نصیب ہوتا ہے، بندہ جب نماز ادا کرتا ہے تو اللہ اس کو سکون، نورانیت اور قلبی اطمینان عطاء کرتا ہے، بندہ جب دعاء کرتا ہے تو دلوں کے بوجھ اور گناہوں کی کدورت کو دور کر کے سکون و سلامتی عطاء فرماتا ہے، مصیبت اور پریشانی میں صبر کی طاقت دے کر غم کو بھلا دیتا اور ہلکا کر دیتا ہے، اپنے ذکر سے بندے کے دل کو سکون و اطمینان عطاء کرتا ہے، یہ سب سلامتی ہی سلامتی کی صورتیں ہیں جو ایک ایمان والے کو مختلف طریقوں سے ملتی رہتی ہیں، اس کے علاوہ حج، روزہ، پردہ، حلال کمائی اور رزق کے ذریعہ، زنا، شراب، جوا، بے شرمی و بے حیائی، ننگے پن وغیرہ سے بچا کر امن و سکون اور چین و راحت والی زندگی عطاء کرتا ہے، ویسے وہ غیر ایمان والوں کے لئے بھی دنیا میں راحت و سلامتی دیتا ہے، ان کے لئے ایمان کی ہدایت کا ملنا، دین و اسلام سمجھ میں آنا اور قرآن مجید کے احکام سے متاثر

ہونا بہت بڑی سلامتی ہے، اسی طرح ان کو فرمانبردار، خدمت گذار اولاد کا ملنا، سکون وچین دینے والی بیوی اور شوہر کا ملنا، بہترین ماں باپ کا ملنا، کشادہ اور وسیع وعمدہ مکانات کا ملنا، عمدہ سواریوں اور راحت پہنچانے والے سامان کا ملنا بھی دنیوی سلامتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سلامتی والی زندگی عطاء کرنے کے لئے توبہ کے دروازے سکرات شروع ہونے سے قبل تک کھلے رکھتا ہے، تاکہ اس کا بندہ اس کو پہچان کر ایمان لائے اور ہمیشہ ہمیشہ کی سلامتی والی زندگی میں داخل ہو جائے۔

☆ وہ اپنے ایمان والے بندوں کو سلامتی عطاء کرنے کے لئے بار بار ان کی توبہ قبول کرتا اور ان کو سنبھلنے کا موقع عنایت کرتا ہے، تاکہ ایمان والے گناہوں سے توبہ کرلیں اور سلامتی والی زندگی پر آجائیں، اس نے اپنی صفت **تَـوَّابٌ** کی تعلیم دے کر اور بے انتہاء مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہونے کا احساس دلا کر بندوں کو ناامیدی سے بچالیا، وہ اپنے بندوں کی بربادی اور تباہی نہیں چاہتا؛ بلکہ ان کو دنیا کی تکالیف اور جہنم کی سزاؤں سے بچانے کے لئے اپنے غفور، غفّار، ستّار، ودود، شکور ہونے کی تعلیم دی اور توبہ سے خوش ہو کر ان کی خطاؤں کو بار بار درگذر کرتا، معاف اور نظرانداز کرتا رہتا ہے، تاکہ بندے سلامتی وعافیت والی زندگی اختیار کرلیں، اگر وہ ستّار نہ ہوتا تو کوئی بھی انسان کے گناہ چھپ نہیں سکتے تھے اور وہ لوگوں کو سلامتی وعافیت کی زندگی کی تعلیم دے نہیں سکتے تھے اور دنیا میں انسان گناہوں سے توبہ نہ کر کے سلامتی وعافیت کی زندگی ہی سے دور رہتا تھا، اس لئے کہ ہر ایک کے گناہ ایک دوسرے کے سامنے عیاں ہو کر گناہوں کی ہی تشہیر ہوتی اور لوگ سلامتی والی زندگی کو سمجھ ہی نہیں پاتے، اس کے ستّار ہونے سے انسانوں کے گناہ چھپ گئے اور وہ اپنے حقیقی ایمان والوں سے سلامتی وعافیت والی زندگی سیکھتے ہیں اور توبہ کی طرف رخ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بار بار معافی اس لئے دیتا ہے تاکہ بندہ سلامتی کے راستہ پر آجائے اور مرنے کے بعد سلامتی وعافیت کی زندگی پالے۔

☆ وہ صبور ہونے کے ناتے سلامتی دینے کی خاطر گناہ کرتے ہی ایک دم عذاب نازل نہیں کر دیتا اور فوراً اپنے عذاب میں پکڑ نہیں لیتا، وہ سلامتی عطاء کرنے کی خاطر بڑے بڑے کافروں، مشرکوں اور گنہگاروں کو سدھرنے سنبھلنے کے مواقع بار بار دیتا ہے، سلامتی دینے کی خاطر اس کی

رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، وہ سلامتی و عافیت دینے والا نہ ہوتا تو کافروں، مشرکوں اور گنہگاروں کو سدھرنے اور سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملتا اور انسان کی زندگی دنیا ہی میں برباد ہوجاتی۔

☆ اَلسَّلَامُ کی سلامتی ہی سے کائنات اور کائنات کی تمام مخلوقات سلامت ہیں اور اپنی اپنی مدت پوری کرتے ہوئے ذمہ داریاں ادا کررہی ہیں، جس دن جس پر سے سلامتی کا فیضان اٹھ جاتا ہے، وہ اپنی سلامتی کھودیتا ہے، اس چیز سے کمال وخوبی ختم ہوجاتی ہے۔

☆ غذائیں اپنا اثر اَلسَّلَامُ کی سلامتی ہی سے دکھاتی ہیں۔

☆ دوائیں اپنا اثر اَلسَّلَامُ کی سلامتی ہی سے دکھاتی ہیں۔

☆ جانداروں کی نسلیں اَلسَّلَامُ کی سلامتی ہی سے چلتی اور اپنی اپنی میعاد پوری کرتی ہیں۔

☆ ہواؤں میں اڑنے والے پرندے اور جہاز اَلسَّلَامُ کی سلامتی ہی سے اڑتے اور صفت اَلسَّلَامُ ہی سے ان کو سہارا ملتا ہے اور زمین پر محفوظ طریقے سے اُتر سکتے ہیں۔

☆ پانی میں جانور اور بڑے بڑے جہاز اَلسَّلَامُ کی سلامتی ہی سے پھولوں کی طرح تیرتے ہوئے ہزاروں ٹن سامان لے جاسکتے ہیں، صفت اَلسَّلَامُ ہی ان کو پانی پر سلامتی عطاء کرتی ہے، سلامتی ہٹتے ہی طوفان اور طغیانی کے ذریعہ ڈبودئے جاتے ہیں۔

☆ ہوا، پانی، زمین اَلسَّلَامُ کی سلامتی ہی سے انسانوں کے لئے سکون و راحت کا ذریعہ بنتے ہیں، ورنہ سلامتی ہٹتے ہی زلزلے، طوفان اور طغیانی سے پٹائی بھی کرتا ہے۔

☆ اَلسَّلَامُ کی سلامتی ہی ایک جاندار کے بچے کو ماں کے پیٹ میں کئی مہینوں تک اور انڈوں میں کئی دنوں تک محفوظ رکھتی اور پرورش کرتی ہے، اگر سلامتی کا فیضان نہ ہوتو حمل ساقط ہوجاتا ہے اور انڈے گندے ہوجاتے ہیں۔

☆ دنیا میں بہت سارے واقعات ایسے ہوتے ہیں جس میں اَلسَّلَامُ کی سلامتی صاف طور پر نظر آتی ہے، بعض لوگ جس ہوائی جہاز سے سفر کرنے کا ٹکٹ لیتے ہیں، ہوائی اڈّے پر دیر سے آتے ہیں تب تک ہوائی جہاز اُڑ جاتا ہے اور کچھ دیر بعد معلوم ہوتا ہے وہ جہاز گر گیا اور یہ لوگ جو دیر سے آئے بچ گئے، اسی طرح ٹرین کے سفر میں جس ٹرین سے سفر کرنا تھا وہ چھوٹ جائے تو ایسے لوگ ٹیکسی کے ذریعہ تیز جا کر آگے کے اسٹیشن پر اس ٹرین

کو پکڑتے ہیں اور اپنے ریز رویشن ڈبے میں سفر کرتے ہیں، کچھ گھنٹوں بعد دریاء میں پانی زیادہ ہونے اور طوفان آنے سے پل ٹوٹ کر وہی ڈبّہ دریا میں گر گیا اور وہ مر گئے، یہ واقعات اللہ تعالیٰ کی سلامتی کی صفت کو کھلے طور پر ظاہر کرتے ہیں، وہ جب کسی کو سلامتی دیتا ہے تو مہلتِ زندگی ملتی ہے اور جس سے سلامتی ہٹا لیتا ہے تو مہلتِ زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرو ابن العاص ؓ کو ایک شخص صبح صبح قتل کرنے کے ارادے سے دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا کہ وہ فجر کی نماز کے لئے نکلیں تو حملہ کر کے قتل کر دوں گا، مگر اُس رات ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور وہ گھر میں رہے، ان کا باڈی گارڈ باہر نکلا تو اس شخص نے عمرو ابن العاص ؓ سمجھ کر حملہ کر دیا، اللہ تعالیٰ نے عمرو ابن العاص ؓ کو سلامتی عطا فرما دی۔

☆ دنیا کے مختلف غیر مسلم علاقوں میں ایمان والے بھی رہتے ہیں، غیر مسلم ان سے بغض و عداوت رکھتے ہیں، فسادات کے ذریعہ ان کی دکانیں اور مکانات جلاتے اور نقصان کرتے ہیں، قتل وخون اور غارت گری کرتے ہیں، ان کو تجارت کرنے نہیں دیتے، حکومت میں نوکری اور ملازمت نہیں دیتے، معاشی اعتبار سے کمزور کرنا چاہتے ہیں، مگر اللہ جس کو سلامتی و عافیت دینا چاہتا ہے وہ ایمان والوں کے بار بار لُٹنے، پٹنے اور تکالیف میں مبتلا ہونے، معاشی اعتبار سے کمزور ہونے کے باوجود مسلمانوں کی آپس میں ایک دوسرے سے بار بار مدد کرواتا ہے، مصیبتوں میں صبر کرنے کی طاقت دیتا اور اسلام پر قائم رکھتا اور معاشی حالت کو کمزور ہونے سے بچانے اور مستحکم کرنے کے لئے دوسرے ملکوں میں روزگار کے راستے کھولتا ہے اور ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

☆ غیر مسلم اسلام کو اپنے اپنے علاقوں میں پھیلنے سے روکتے، مختلف قسم کے ظلم ڈھاتے، مگر السلام کی سلامتی سے اسلام غیر مسلم علاقوں میں پھیلتا رہتا اور مسلم اسلام پر زندگی گذار سکتے ہیں، یہ اَلسَّلَام کی سلامتی ہے کہ آج تقریباً ساڑھے چودہ سو سال سے کوئی بھی مسلمانوں کو اور اسلام کو کہیں سے بھی نہیں مٹا سکا۔

☆ اَلسَّلَام کی سلامتی ہی غیر مسلم علاقوں میں مسلمانوں کو ایمان کی تڑپ کے ساتھ زندہ رکھتی اور حفاظت کرتی ہے، بیشک اللہ جس کی سلامتی چاہتا ہے تو کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور نہ کسی کو کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے۔

☆ جس کو اَلسَّلَام سے سلامتی ملتی ہے تو اس کو دین کی سمجھ اور فہم ملتا ہے، وہ دین کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور مخلوقات سے کٹ کر خالق کا ہو جاتا ہے اور سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے، اور جس کو سلامتی نہیں ملتی وہ دین کی سمجھ بوجھ اور فہم سے محروم رہتا ہے، منافقوں کی صفات میں بڑی صفت یہ ہے کہ وہ دین کی سمجھ سے محروم رہتے ہیں، اس لئے کہ وہ جان بوجھ کر حق کو حق جانتے ہوئے بغض وعداوت، جلن اور حسد میں مبتلا رہتے، جس کی وجہ سے وہ اللہ کی صفت اَلسَّلَام کے فیضان سے محروم رہتے ہیں۔

☆ اَلسَّلَام جب کسی کو سلامتی دیتا ہے تو دنیا اور آخرت کی سلامتی عطاء کرتا ہے، بظاہر وہ تکالیف اور مصیبتوں میں نظر آتا ہے، لوگ اس کو فقیر اور بے عزت بنانا چاہتے ہیں، مگر وہ سلامتی میں ہوتا ہے، یہ سلامتی ہر انسان کو اس کی اپنی تڑپ اور فکر پر ملتی ہے، جو جتنا زیادہ اللہ کو پہچاننے کی کوشش کرے گا، اللہ کے لئے چاہت پیدا کرے گا، سچائی اور حق کو سمجھنے کی کوشش کرے گا، شرک سے بیزار رہے گا، گناہوں سے نفرت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اسی قدر سلامتی وعافیت عطاء کرتا رہتا ہے، جو جتنا اللہ کو سمجھے گا اُسے اسی قدر سلامتی ملتی رہے گی، جو جتنا زیادہ اللہ کے پاس جوابدہی کا احساس رکھے گا اُسے اسی قدر سلامتی ملتی رہے گی، جو جس قدر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ اتنی ہی سلامتی پاتا رہے گا۔

☆ چنانچہ ہر زمانہ میں غیر مسلم اپنے اپنے علاقوں میں انسانوں کو ایمان قبول کرنے اور اسلام سے روکنے کی کوشش کیے، مگر اللہ تعالیٰ انسانوں میں حق کی تڑپ اور تلاش پر باوجود مشرک گھرانہ ہونے اور سخت قانون بنانے کے؛ ایسے انسانوں کو دین کی سمجھ دیتا رہا اور دے رہا ہے اور انہوں نے دین واسلام میں آنے کے بعد سب کچھ لُٹنے، فقیر ہو جانے اور بے گھر ہو جانے کے باوجود کامیاب سمجھے اور اپنے آپ کو سلامتی میں پایا، معمولی زندگی، بھوک اور پیاس کو برداشت کرتے ہوئے دنیا اور آخرت کی سلامتی والی زندگی سے چمٹے رہے، آج بھی غیر مسلم اپنے علاقوں میں اسلام کو پھیلتا ہوا پا کر کچھ بھی نہیں کر پا رہے ہیں اور نہ پھیلنے سے روک سکتے ہیں، یہ صرف اللہ کی سلامتی ہے، چنانچہ ہر زمانہ میں انسانی تاریخ گواہ ہے کہ لوگوں نے دنیوی عیش وآرام کو، دنیوی عزت اور مقام ومرتبہ کو ٹھکرا کر دنیا اور آخرت کی

سلامتی والی زندگی کو ترجیح دے کر اپنی جان اور مال کی قربانی دی۔

☆ فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ جو ملکہ اور رانی کا مقام رکھتی تھیں، شاہی شان و شوکت اور دنیوی عیش و آرام کے مقابلہ میں ایمان قبول کر کے جان قربان کر کے ہمیشہ ہمیشہ کی سلامتی والی زندگی کو ترجیح دی اور دنیوی تکالیف اور سزاؤں کو برداشت کیا۔

☆ بی بی آسیہؓ کی خادمہ نے آخرت کی سلامتی کے لئے شاہی محل کی زندگی کو چھوڑ کر اپنے بچوں کے ساتھ گرم گرم تیل میں جلنا گوارا کیا؛ لیکن سلامتی والی ہمیشہ کی زندگی کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا، اللہ کی سلامتی ہی میں رہنا چاہا۔

☆ اصحابِ کہف باوجود دولت مند گھرانوں کے تھے، دنیا کے عیش و آرام کے چھن جانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سلامتی و عافیت والے راستہ کو اختیار کر کے اللہ کی سلامتی میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو غار میں بھی سلامتی عطاء فرمائی۔

☆ حضرت خبیبؓ بن عدی کو مکہ والوں نے گرفتار کر کے قتل کرنے کے لئے کھڑا کیا تو انھوں نے دنیا کی تکلیف کو برداشت کرنا گوارا کیا اور جسم کے پورے پورے کاٹنے کے باوجود سلامتی والی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کو ترجیح دی اور اللہ کے نام پر شہید ہوگئے، دنیا کی تکلیف کو تکلیف نہ سمجھا۔

☆ حضرت معصب بن عمیرؓ دولت مند گھرانے کی شان و شوکت میں زندگی گذارنے والے، جب اَلسَّلَام کی سلامتی میں آئے تو سب کچھ چھین کر ننگے کر کے گھر سے نکال دئے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی عطا فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے پہنچ کر دعوتِ دین و تبلیغ کا کام کیا اور کئی خاندانوں کو اسلام میں داخل کر کے آخرت کی سلامتی کا سودا مضبوط کر لیا، پھر اسلام کی حفاظت کی خاطر اَلسَّلَام کے نام پر شہید ہو کر اس کی سلامتی حاصل کر لی۔

☆ حضرت حمزہؓ نے دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں اسلام کی حفاظت کی خاطر شہادت پائی اور دشمنوں نے ان کے جسم کا مثلہ کیا، کلیجہ چبا کر کامیابی سمجھی، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو تکالیف میں مبتلا کر کے آخرت کی سلامتی عطا فرمائی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کی سلامتی والے بن گئے،

قیامت تک اللہ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت حمزہؓ کی زندگی کو مثال اور نمونہ بنا کر دنیا میں بھی سلامتی عطا فرمادی اور ان کی شخصیتوں کو انسانوں میں روشن کر دیا۔

☆ حضرت خالد بن ولیدؓ بار ہا اس بات کی خواہش رکھتے تھے کہ وہ اللہ کے لئے اور اسلام کے لئے شہید ہو جائیں، دشمنوں کے نرغے میں گھس کر گھمسان کی لڑائی بھی لڑتے، تلواروں کے بیچ میں آجاتے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کے راستہ سے سلامتی نہ دی؛ بلکہ بستر پر موت دی اور دنیا و آخرت میں سلامتی عطا فرمادی اور صحابیٔ رسول بنا دیا۔

☆ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کو سلامتی دینا نہ چاہا، جس کی وجہ سے ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور اللہ نے مسلمانوں کو سلامتی عطا فرما کر فتح عطا فرمائی اور پوری عرب دنیا میں مسلمانوں کا رعب و دبدبہ قائم ہو گیا، مشرک مسلمانوں کو مٹانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور سلامت رکھا۔

☆ ابرہہ نے چاہا کہ کعبہ کو ڈھا دیا جائے اور زمین پر سے مٹا دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے کعبہ پر وہ سلامتی نازل فرمائی کہ ابرہہ کی فوج عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو گئی اور قیامت تک کعبہ کو ڈھانے کی ہمت ختم ہو گئی۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعوتِ حق دینے پر قوم نے ان کو جلا دینا اور ختم کر دینا چاہا، آگ میں پھینک دیا گیا، مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کو سلامتی دینا مقصود تھا، اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ بظاہر جلتی تو رہے مگر ابراہیم کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا، ایسی ٹھنڈی بھی نہیں کہ برف کی طرح ان کے لئے تکلیف دہ ہو؛ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار اور چمن بن کر سلامتی والی ہو جا، چنانچہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ زندگی کے سب سے مزیدار اور پُرسکون دن آگ میں گذرے، جتنے دن بھی وہ آگ میں رہے راحت وسکون اور سلامتی اور مزے سے رہے، بیشک جب بندہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ کے دین کا کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے ہر قسم کی قربانی دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسی طرح سلامتی سے نوازتا ہے۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی کا یہ عالم ہے کہ امتِ مسلمہ کو حج، عمرہ اور قربانی میں ان

کی اتباع کا حکم دیا گیا اوران کے بنائے ہوئے مرکز کعبۃ اللہ کونماز کارخ بنانے کی تعلیم دی گئی اور قیامت تک اسلام کی حج جیسی عظیم عبادت کوانہی کے طریقوں پرادا کرنے کی تلقین کی گئی، ان کے ساتھ اللہ کی عنایت اور سلامتی کا یہ عالم ہے کہ امت محمدیہ کا نام انہیں کے نام مسلم پر رکھا گیا اور مسلمانوں کوانہی کی طرح اللہ سے محبت کرنے اور عقیدہ رکھنے کی تعلیم دی گئی۔

☆ ان پر سلامتی کا یہ عالم ہے کہ امت محمدیہ کا کوئی فرد نہ ان کو دیکھا اور نہ ان کا زمانہ پایا، مگر قیامت تک مسلمان ہر نماز میں ان پر درود وسلام اپنے پیغمبر کے ساتھ ساتھ بھیجتے رہیں گے اوران کی سنت ادا کرتے ہوئے قربانی دیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی کوسلامتی عطا فرماتا ہے تو وہ اسی طرح نوازتا ہے، اس کی عزت، اس کا احترام، اس کی محبت انسانوں کے دلوں میں خوب پیدا کردیتا ہے، اس کے نام کوقیامت تک باقی رکھتا ہے، اس لئے کہ وہ بڑاقدردان ہے، شکور ہے۔

☆ یہ اَلسَّلَام کی سلامتی کی کھلی مثال ہے کہ وہ جب پالنے پر آتا ہے تو اپنی صفت اَلسَّلَام سے بغیر کسی آسرے اور سہارے اور مدد کے ماں باپ کے بغیر بھی پالتا ہے، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوفرعون کے گھر میں رکھ کر اپنی صفت السلام کے سایہ میں پالا، جبکہ فرعون نے ہزاروں بچوں کوقتل کیا؛ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کوقتل نہ کرسکا۔

☆ حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تو مچھلی کوحکم دیا کہ وہ حضرت یونسؑ کونگل جائے، مگر نگل کر ہضم نہ کرے، چنانچہ مچھلی کا پیٹ حضرت یونسؑ کے لئے قید خانہ بن کر سلامتی کی جگہ بن گئی، اللہ نے ان کوقید میں رکھ کر بھی سلامتی عطا فرمائی۔

☆ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم ومقام کووقت سے پہلے چھوڑ کر چلے گئے، قوم نے عذاب آنے سے پہلے توبہ کرلی تو اللہ نے اس توبہ کی برکت سے اس قوم پر سے عذاب روک دیا اور سلامتی عطا فرمائی اور ہلاکت سے بچالیا۔

☆ حضرت یوسف علیہ السلام کوان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈال کر ختم کرنا چاہا یا غلام بنانا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ سلامتی کے ساتھ مصر پہنچایا اور شاہِ مصر کے گھر میں پہنچا کر سلامتی عطا فرمائی، پھر عورتوں کی برائی سے بچانے جیل خانہ میں رکھ کر تقویٰ وپرہیزگاری پر سلامتی عطا فرمائی، پھر وہاں سے سلامتی وعزت اور پاکدامنی کا اعلان کروا کر مصر کی بادشاہت عطا

فرمادی، اور بادشاہ کا نورِنظر بنادیا، وہ جب کسی کو سلامتی وعافیت دیتا ہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا، اس کی سلامتی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہی بھلائی ہوتی ہے، پھر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو عبرت ونصیحتوں والا قصہ بنا کرامت محمدیہ کی تربیت بھی فرمارہا ہے، بیشک صاحب نصیبوں کو ہی ایسی سلامتی ملتی ہے۔

☆ مکہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو سلامتی دینا چاہتا تھا، چنانچہ سلامتی کے ساتھ مکہ والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ان کے سامنے سے بچا کر مدینہ لے گیا، کفار مکہ اللہ کی حفاظت وسلامتی کے سامنے کچھ نہ کرسکے، مکہ سے مدینہ کے راستہ میں سراقہؓ نے آپ ﷺ کو پہچان لیا اور تعاقب کیا، مگر اللہ اپنے نبی ﷺ کو سلامتی دے کر سراقہ کو ناکام کردیا اور وہ عاجز ہوگئے۔

☆ فرعون نے لشکر کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور ختم کر دینا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو سلامتی دینا چاہتا تھا، تو اس نے فرعون اور اس کے لشکر پر سے سلامتی ختم کردی اور وہ عذاب کے حوالے ہوگئے، حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو بچا کر سلامتی کے ساتھ سمندر پار کروادیا۔

☆ ابوجہل کو سلامتی نہ دینا تھا تو جنگِ بدر میں مدینہ کے چھوٹے بچوں سے اس کا کام تمام کروادیا، بیشک وہ جب کسی کو سلامتی نہیں دیتا تو اس کا حشر برا ہوجاتا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کی نرینہ اولاد کے انتقال پر ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے رسول ﷺ کو دُم کٹا کہا اور طعنہ دے کر یہ کہا کہ محمد ﷺ کو نرینہ اولاد نہیں، ان کے بعد کوئی ان کا نام لینے والا بھی باقی نہیں رہے گا، محمد ﷺ کا نام مٹ جائے گا، اس طرح طعنہ دے کر رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی، مکہ فتح ہونے کے بعد عکرمہؓ بن ابوجہل کو رسول اللہ ﷺ نے قتل کا حکم سنادیا اور وہ بھاگ گئے، مگر اللہ تعالیٰ کو عکرمہؓ کے ذریعہ ابوجہل کی نسل دنیا میں قیامت تک چلانا تھا، اللہ نے اپنی حکمت سے عکرمہ بن ابوجہل کو سلامتی عطا فرما کر باقی رکھا اور ایمان سے مالا مال فرمایا، آج امت مسلمہ میں ابوجہل کی اولاد بھی انہی کے ذریعہ چل رہی ہے، مختلف لوگ اپنے اپنے حسب نسب کا نام لے کر کہتے ہیں کہ ہم صدیقی ہیں، ہم عثمانی ہیں، ہم فاروقی ہیں، ہم سید

ہیں، مگر کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ ہم ابوجہل کی اولاد ہیں، اس کے خاندان سے ہیں، آج اس کا نام لینے والا کوئی نہیں، اللہ نے بتلا دیا کہ وہ اولاد رکھ کر بھی دُم کٹّا بنا ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ کا نام لینے والے، آپ ؐ کو اولاد سے بڑھ کر چاہنے والے چودہ سو سالوں سے دنیا میں آرہے ہیں، اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو سلامتی عطا فرمایا، یہ ہے سلامتی کا ملنا۔

☆ حضرت وحشیؓ بن حرب کو حضرت حمزہؓ کے قتل کرنے کے باوجود اللہ نے سلامتی عطا فرمائی اور وہ ایمان لے آئے اور ایمان سے مالا مال کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو اپنی محفلوں میں اپنے سامنے بیٹھنے سے منع کیا تھا، وحشیؓ نے اللہ کو راضی کر کے مسیلمہ کذّاب کا قتل اسی بھالے سے کیا جس سے حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ کی زیارت خواب میں کی اور آپ ؐ کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

☆ منافقین رسول اللہ ﷺ کو مسجد ضرار میں نقصان پہنچانا چاہتے تھے، دیوار کے قریب بیٹھا کر پتھر گرا کر ختم کرنا چاہتے تھے، اللہ نے منافقوں کو ناکام کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو سلامتی عطا فرمائی اور مسجد ضرار کو جلا دیا گیا، بیشک وہ جب کسی کو سلامتی دینا چاہتا ہے تو سب کچھ ہوتے ہوئے کچھ نہیں کر سکتے۔

☆ جب انسان کو سلامتی کا فیضان ملتا ہے تو وہ بڑی سے بڑی مصیبت کو ہنستے ہوئے آخرت میں اجر وثواب کے ملنے کی امید سے سکون کے ساتھ برداشت کرتا ہے، ناامید نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کو صبر کے ذریعہ سلامتی عطا فرماتا ہے، جب سلامتی سے محروم رہتا ہے تو ناامید ہو کر صبر نہیں کر سکتا، خودکشی کر لیتا ہے یا آگ لگا لیتا ہے یا زہر پی لیتا ہے۔

☆ جب انسان کو دولت، طاقت، عہدہ، کرسی ملتی ہے تو اللہ جس انسان کو سلامتی عطا فرماتا ہے تو وہ اس دولت کو دین کے پھیلانے میں، اللہ کی رضاء کے لئے مال خرچ کرنے کی اُسے توفیق ملتی ہے، عہدہ اور کرسی پر انصاف کرتا ہے، اللہ کے قانون کو زمین پر نافذ کرتا ہے اور طاقت کو لوگوں کی مدد میں خرچ کرتا ہے، جس کو اَلسَّلَام سے سلامتی نہیں ملتی وہ مال کو دین کے خلاف، دین کو مٹانے اور کمزور کرنے میں لگاتا ہے اور مال سے اللہ کی نافرمانی اور بغاوت کرتا ہے، طاقت و اقتدار سے ناانصافی کرتا ہے، زمین میں فساد پھیلاتا ہے اور اللہ کے قانون کے مقابلہ میں انسانی

قانون کونافذ کر کے تمام انسانوں میں دہشت، بے سکونی، ناانصافی، مصیبت پیدا کردیتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے صحابہ کو پیغمبر کے علم کا وارث بنا کر پیغمبر کے بعد وحیٔ الٰہی کو محفوظ کیا اور علم سے مالا کر کے سلامتی عطا فرمائی۔

☆ اللہ تعالیٰ جس عالم کو علم کے ساتھ حکمت و دانائی عطا فرماتا ہے یہ اس کے لئے بہت بڑی سلامتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ جس کو علم کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق دیتا ہے یہ بھی بڑی سلامتی ہے۔

☆ دنیا کی زندگی میں جس کو سلامتی ملتی ہے وہ ایمان اور اسلام سے مالا مال ہوتا ہے، اللہ کی عبادت، اللہ کے ذکر اور اللہ کی غلامی کے لئے بے قرار رہتا ہے، اس کا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہوتا ہے، وہ سلامتی ملنے کی وجہ سے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اللہ کی یاد، ذکرِ الٰہی، اللہ کی بڑائی، تعریف اور شکر میں زندگی گذارتا ہے، اسی سلامتی کی وجہ سے وہ انسانوں سے اللہ کے لئے محبت اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کرتا ہے، اس کے برعکس جس کو سلامتی نہیں ملتی اور جو سلامتی سے محروم رہتا ہے وہ اللہ کی عبادت سے دور بھاگتا ہے، مخلوق کی بڑائی و تعریف میں جیتا ہے، وہ برائے نام مسجد کی حد تک اللہ کو بڑا مانتا ہے مگر کاروبار، دفتر، تجارت، نوکری، عدالت، حکومت، شادی بیاہ، غرض انفرادی و اجتماعی زندگی میں اپنی بڑائی چلا کر زندگی گذارتا ہے، وہ خدا کا بندہ بننے کے بجائے نفس کا بندہ بنا رہتا ہے اور نبیؐ کی اتباع و اطاعت کی جگہ نفسانی خواہشات کو دین بنالیتا ہے، اس کا جینا اور مرنا سب کچھ مخلوقات کی محبت، مخلوقات کی اطاعت اور دنیا کے لئے ہوتا ہے، وہ اللہ سے زیادہ مخلوق سے محبت کرتا ہے۔

☆ کامیاب ہونے والے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ اصلی اور حقیقی سلامتی و عافیت جنت میں عطا کرے گا، دنیا میں آزمائش و امتحان کے حالات آتے رہتے ہیں اور انسانوں کا امتحان ہوتا رہتا ہے، تا کہ ان کے درجات بلند کئے جائیں، جس کی وجہ سے ان کو کبھی تکلیف، کبھی آرام، کبھی بیماری، کبھی صحت، کبھی ظلم وزیادتی اور کبھی امن وسکون، کبھی خوف اور پریشانی میں رکھا جاتا ہے اور کبھی لُوٹا اور پیٹا جاتا ہے، مگر جنت میں جو سلامتی اور عافیت ملے گی وہ ایسی ہوگی جہاں نہ ان کو کسی

قسم کی تکلیف ہوگی اور نہ کسی قسم کا ذرّہ برابر رنج وغم ہوگا، نہ مصیبت آئے گی، نہ نعمت میں کمی ہوگی اور نہ کسی قسم کی محرومی ہوگی، وہاں ہر قسم کی خواہشات پوری کی جائیں گی اور وہاں نہ کسی قسم کا لڑائی جھگڑے کا ماحول ہوگا اور نہ نافرمانی وبغاوت کے حالات ہوں گے، نہ وہاں کوئی فحش اور لغو بات ہوگی اور نہ گناہ کے کام ہوں گے، وہاں نہ غلاظت وگندگی ہوگی اور نہ کسی قسم کی ناپاکی ہوگی، وہاں تو بس سکون ہی سکون، خوشحالی ہی خوشحالی، راحت ہی راحت، نعمت ہی نعمت، انعام ہی انعام ہوگا اور وہ زندگی ہمیشہ ہمیشہ کی سلامتی وعافیت والی ہوگی، وہاں کبھی موت نہیں آئے گی۔

☆ اس کے برخلاف جن لوگوں کو سلامتی نہیں ملے گی، وہ دوزخ کے حوالے کردئے جائیں گے، دوزخ، تکلیف، مصیبت، اندھیرے، بدبو، چیخ وپکار کی جگہ ہوگی، آگ ہی آگ سے بھری ہوئی ہوگی، وہاں نہ نیند ہی آئے گی اور نہ موت، وہاں بس جلایا جائے گا، پھر بار بار نئی کھال چڑھتی جائے گی، وہاں بھوک، پیاس کا عذاب ہوگا، گرم گرم کھولتا ہوا تیل اور پانی، خون اور پیپ اور کانٹے دار درخت کھانے اور پینے کو ملیں گے، وہاں کوئی مرنا چاہے گا بھی تو نہیں مر سکے گا، غرض دوزح کی زندگی اطمینان وراحت اور عافیت وسلامتی سے کوسوں دور ہوگی، اس لئے ہر انسان کو ہمیشہ ہمیشہ کی سلامتی والی اور راحت والی زندگی کی تیاری کرنا چاہئے اور دنیا وآخرت کی سلامتی والی زندگی کی دعاء کرتے رہنا چاہئے۔

☆ جب تک اَلسَّلَام کی سلامتی کا حکم ہوگا، یہ دنیا اور اس کی مخلوقات اپنا اپنا کام کرتی رہیں گی، جس دن سلامتی ہٹالی جائے گی، کوئی کلمہ پڑھنے والا باقی نہ رہے گا، قیامت برپا ہوجائے گی اور ہر چیز سے سلامتی ختم ہوکر وہ فناء ہوجائے گی۔

☆ انسان کی سب سے بڑی کمزوری، بدعقلی، نادانی وناسمجھی اور غفلت وبیوقوفی ہے کہ وہ دنیا کی اس زندگی میں وقتی آرام، وقتی سکون، وقتی راحت اور وقتی سلامتی حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں، محنتیں لگاکر مختلف سامانِ راحت جمع کرکے دنیا میں سلامتی وسکون چاہتا ہے اور یہ سلامتی وسکون کی خاطر ناجائز، ناپاک اور حرام طریقوں سے دولت کماتا اور اللہ کی نافرمانی کرکے آخرت کے مقابلہ دنیا کو ترجیح دیتا ہے، اللہ سے زیادہ دنیا کی مال ومتاع اور عیش ومحبت کرتا ہے اور اللہ کے مقابلہ مخلوقات کی خاطر جان ومال لٹاتا ہے، دنیا کے

انسانوں کی غلامی کرتا، ان کو راضی رکھنا چاہتا ہے، اُسے چاہئے کہ وہ حقیقی اور اصلی اور ہمیشہ ہمیشہ کی سلامتی دینے والے کو اپنا دوست بنائے، اُسی سے اپنے آپ کو جوڑیں، اسی سے سب سے زیادہ محبت کرے اور اُسی کی اطاعت و غلامی میں زندگی بسر کرے، دنیا کی سلامتی، دنیا کی عافیت اور دنیا کا عیش وقتی اور عارضی ہوتا ہے، سب کچھ چھین لیا جاتا ہے یا چھوڑ کر جانا پڑتا ہے، اللہ کی طرف سے آخرت میں ملنے والی سلامتی عارضی اور وقتی نہیں، ہمیشہ ہمیشہ کی ہوتی ہے، اس لئے اس سے ہمیشہ ہمیشہ کی سلامتی ملنے والے اعمال اختیار کئے جائیں اور دعاء مانگتے رہنا چاہئے، جس کو اللہ کی رضاء مل جائے وہ ہمیشہ ہمیشہ کی سلامتی میں ہوگا، دنیا کے دوسرے مذاہب میں اللہ کی سلامتی حاصل کرنے کا نہ تو مزاج ہے اور نہ تعلیم دی جاتی ہے اور نہ کوئی دعاء کی جاتی ہے، یہاں تک کہ ان کی ملاقاتوں پر جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس میں بھی سلامتی و عافیت کی کوئی دعاء ہی نہیں، یہ صرف اللہ نے اسلام میں نعمت رکھی ہے کہ بندہ اللہ کی سلامتی کو لوٹنے والے کام کرتا ہے اور آپس میں سلامتی کی دعاء دیتا رہتا ہے۔

☆ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس بی بی خدیجہؓ کے لئے اللہ تعالیٰ کا سلام لائے، جب حضرت خدیجہؓ کو اللہ کا سلام سنایا گیا تو اس کے جواب میں بی بی خدیجہؓ نے یہ کہا کہ میں بھی اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کی حفاظت و سلامتی کے حوالہ کرتی ہوں، اللہ تعالیٰ خود السلام ہے، وہ سلامتی دینے والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ۔

اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تجھی سے سلامتی ہے، تو بابرکت ہے، اے بزرگی اور کرم والے۔ (مسلم)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی مسلمان سے ملے تو اس دعاء اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے ساتھ ملے اور سننے والا مسلمان اونچی آواز سے وعلیکم السلام کہہ کر جواب دے، مسلمان نماز میں ہر روز درود کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ پر سلامتی کی دعاء کرتا ہے، جو لوگ نماز نہیں پڑھتے وہ درود و سلام نہ پڑھ کر اس سے محروم رہتے ہیں، دنیا کی زندگی میں ایک مسلمان کو مختلف خطرات لگے رہتے ہیں، اس لئے کثرت سے اس دعاء کو کرتے رہنا چاہئے اور اللہ سے سلامتی و عافیت مانگتے رہنا

چاہئے ،مسلمانوں کو چاہئے کہ اس دعاء کے معنیٰ ومطلب جان کردل سے اس دعاء کوکریں، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہودی لوگ دشمنی سے رسول اللہ ﷺ کو جوسلام کرتے تھے اس میں السلام علیکم کے بجائے ''سام علیکم '' کہتے ،جس کے معنیٰ ''تم پر موت آئے'' ہیں، اس لئے صحیح الفاظ کو جان کرسلام کرنا چاہئے۔

اس دعاء کے ذریعہ انسانوں کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ ان کا مالک نہ ظلم کرنے والا ہے، نہ بے رحم اورسخت ہے، نہ اپنے بندوں سے غافل ہے، وہ سراسر سلامتی وعافیت والا ہے، ظالم وجابر نہیں، خوفناک اور غضبناک نہیں، وہ انسانی بادشاہوں کی طرح بات بات پر ناراض ، خفاء اور غضبناک نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ بڑا حلیم ہے، وہ انتہائی غفور ہے، وہ توبار بار معاف کرنے والا ہے، وہ گناہوں کے باوجود بار بار رحم کرنے والا ہے، توبہ واستغفار کا وقع دینے والا ہے، بار بار مہلت دینے والا مالک ہے، تاکہ اس کے بندے سلامتی میں آکر اس کی طرف رجوع ہوجائیں، اس سے نا امید نہ ہوں، اس کی رحمت میں رہیں، اس سے دور نہ رہیں، اسی کی محبت اور اسی کے گُن گائیں، اسی کی یاد کے ساتھ زندگی گذارتے رہیں، اس دعاء کے ذریعہ ایک باعمل مومن متقی و پرہیزگار مومن اللہ کے اس صفاتی نام اَلسَّلَام کو کثرت سے دوہراتا اور اللہ تعالیٰ کو اس نام ''اَلسَّلَام '' سے یاد بھی کرتا رہتا ہے، سلام کرنے والے گویا اللہ کے اس سلامتی والے نام کا ورد کرتے رہتے ہیں، انسانوں کی زبان پر کثرت سے دوہرائے جانے والا یہ صفاتی نام ہے، جب تک انسان کو اَلسَّلَام کی سلامتی ملتی رہتی ہے وہ نفع، خیر اور کامیابی کی طرف گامزن رہتا ہے، جب اَلسَّلَام اپنی سلامتی ہٹالیتا ہے تو شر غالب آجاتا ہے اور ساری تدابیر الٹی ہوجاتی ہیں۔

عربی قاعدہ کے مطابق آپ الف لام لگا کر ''السلام علیکم '' کہہ سکتے ہیں، یا پھر بغیر الف لام کے صرف ''سلامٌ علیکم '' بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن ''السلامٌ علیکم ''نہیں کہہ سکتے ،اس لئے کہ جہاں الف لام آتا ہے اس لفظ کے آخر میں تنوین نہیں آتی ،اسی طرح بعض لوگ ''السلام و علیکم '' کہتے یا لکھتے ہیں، یہ بھی غلط ہے، ''اَلسَّلَام علیکم '' لکھنا صحیح ہے۔

آیئے اب ہم ذرا السلام علیکم پرغور کریں اور سلام کی حقیقت کو سمجھیں۔

سلام کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاِذَا جَآءَ كَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لا اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءً بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ (انعام:۵۴)

ترجمہ:۔ اے نبیؐ! جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہوں تو اُن سے کہو: تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے رحم کرنے کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے، یہ اس کا رحم وکرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی بُرائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرلے تو وہ اسے معاف کردیتا ہے (کیونکہ) اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے امت کو بالواسطہ یہ اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ جب ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے ہمارے بندے یعنی مسلمان تمہارے پاس آئیں تو سلامتی اور رحمت کی دعا کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا کرو، اور ہماری طرف سے ان کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے با ایمان بندوں کے لئے اپنے اوپر رحمت واجب کررکھی ہے، وہ تم کو اپنی رحمت سے ضرور نوازے گا۔

معاشرتی احکام کی حقیقت

اسلام کے تمام تر معاشرتی احکام تقریباً اسی مقصد کے لئے ہیں کہ ان سے انسانوں میں فطری انداز کا اُنس ومحبت پیدا کی جائے، دشمنی وعداوت کے راستوں کو بند کیا جائے اور امن و سلامتی کا ماحول پیدا ہو، اُونچ نیچ، بڑے چھوٹے، آقا وغلام کے تصوّرات کو بالکل مٹا دیا جائے اور آپس میں خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کو اُبھار کر خود غرضی اور نفسانیت کو ختم کردیا جائے، اسلام کے معاشرتی احکام میں سلام کا حکم بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اسلام کی تعلیم ہے کہ مسلمان جب بھی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں تو انتہائی محبت ومسرت کا

اظہار کرتے ہوئے سلامتی اور عافیت کی دُعا کیا کریں اور اس دعا کے دینے میں سبقت لے جانے کی کوشش بھی کریں، کیونکہ جذبہ خیر خواہی اور ہمدردی کا تقاضہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لئے امن وسلامتی کی تمنا کرے اور یہ جذبہ خیر خواہی اپنے ماں باپ، اہل وعیال اور رشتے داروں کے ساتھ جس قدر زیادہ شدید ہوگا ویسا ہی مثالی خاندان اور معاشرہ وجود میں آئے گا، اسلام کی نظر میں خاندان کا نظام اور افرادِ خاندان کا آپسی تعلق جتنا اور جس قدر زیادہ پاکیزہ اور مضبوط ہوگا اُتنا ہی زیادہ پاکیزہ اور عمدہ معاشرہ تشکیل پائے گا۔

مسلمانوں کے لئے سلام کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیّدنا آدم علیہ السلام کا خاکی پُتلا تیار کیا تو حکم دیا کہ فرشتوں کے مجمع کو سلام کرو اور پھر وہ جو دُعا دیں اس کو بھی غور سے سُنو اور محفوظ کرلو، اس لئے کہ یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی دُعا ہوگی، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو السَّلام علیکم کہا تو فرشتوں نے بھی السَّلام علیک و رحمة اللّٰه کہہ کر جواب دیا۔ (بخاری ومسلم)

روایت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جہاں سے اور جس وقت سے انسانیت کی ابتدا ہوئی ہے وہیں سے ''سلام'' کا سبق بھی یاد کروادیا گیا ہے۔ ''سلام'' تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ طریقہ بھی رہا ہے۔

لفظ ''سَلَام'' پر غور کیجئے

''سلام'' کا مادّہ ''س۔ل۔م'' ہے، جس سے بے شمار الفاظ بنتے ہیں، لیکن ان سب کا جو مشترک مفہوم سامنے آتا ہے وہ ہے ''سلامتی''، یعنی حفاظت وعافیت، غرض یہ کہ اس مادّے سے ہر اس چیز یا جگہ کا نام بھی موسوم ہے جس میں محبت ہمدردی وسلامتی کی سوغات (تحفہ) پوشیدہ ہے، جنت کا نام بھی دار السَّلام اور جنت کے دروازے کا نام باب السَّلام ہے، لفظ اسلام اور لفظ مسلمان بھی اِسی مادے سے بنے ہیں، کیونکہ اسلام کی لفظی اور

معنوی تعریف بھی یہی ہے کہ ہر قسم کے خوف وخطر سے تحفظ عطا کرنے والا مذہب، اور اسی تاثیرِ معنوی سے بھرپور اِنسان کا نام بھی مسلمان رکھا گیا ہے، اسلام ہی ایک ایسی ملّت واحدہ ہے کہ جو امن وسلامتی کا پیغام دیتا اور دل کی راحت کا سامان مہیا کرتا ہے، یعنی قلبی سکون اور ابدی عیش سوائے اسلام کے کسی مذہب وملت میں موجود نہیں ہے؛ بلکہ شر وفساد کو دور کرنے اور امن وسلامتی کو قائم کرنے کی جو بھی تحریک اس روئے زمین پر چل رہی ہے' وہ صرف اسلام ہی کے صدقے اور طفیل سے ہے، اس تشریح کو سمجھنے کے بعد آیئے اب ہم ذرا غور کریں کہ ''سلام ''میں کیا کیا حقیقتیں پوشیدہ ہیں؟

اِنسان سب سے زیادہ سلامتی اور رحمت کا محتاج ہے

دنیا کی مختلف مہذب قوموں میں ملاقات کے وقت خوشی اور محبت کو ظاہر کرنے اور مخاطب کو مانوس ومسرور کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی لفظ یا فقرہ کہنے کا رواج ہے، مگر اسلام نے سلام کرنے کا جو طریقہ مقرر کیا ہے وہ دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر اور افضل طریقہ ہے، جس میں دُعائیہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، یہ دُعائیہ الفاظ بھی ایسے ہیں جو سب سے عمدہ اور جامع ہیں، جس میں دنیا و آخرت کی سلامتی کی تمنا ہے، گویا یہ دُعا ''حیات طیبہ'' کی دُعا ہے ایک مومن اپنے تمام اعمال میں اِن ہی چیزوں کا محتاج بھی ہے یعنی ''سلامتی ورحمت''، جب تک یہ دونوں چیزیں میسر نہ ہوں مؤمن کوئی کام بخیر وخوبی انجام نہیں دے سکتا، گویا سلام عافیت وسلامتی کی ایک جامع ترین دُعا ہے۔

سلام کا مختصر اور جامع مفہوم

اسلامی سلام ہمہ گیر جامعیت رکھتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے اور تذکیر بھی، اپنے مسلمان بھائی سے اظہارِ تعلق ومحبت بھی ہے اور اس کے لئے ایک بہترین دُعا بھی، اس کے ساتھ ساتھ یہ معاہدہ بھی ہے کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی، نیز اس حقیقت کا اظہار بھی ہے کہ ہم اور تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، اس کی مدد کے بغیر ایک دوسرے کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے۔

دُنیا اور آخرت کی سلامتی سے کیا مُراد ہے؟

سلام کے لفظ پر ''الف، لام'' داخل کر کے **اَلسَّلام عَلیکم** کہہ کر ایک مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لئے دنیا و آخرت کی سلامتی اور عافیت کی وہ ساری دُعائیں سمیٹ لیتا ہے جس کی طرف اسلام کا الف اشارہ کرتا ہے، یہ وہ سلامتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والے بندوں پر نازل ہوتی ہے، جس کی مختصر اور جامع تفصیل یہ ہے: ''اللہ تم کو ہر قسم کی سلامتی اور عافیت عطا فرمائے''، ''اللہ تمہاری جان و مال کو سلامت رکھے، گھر بار، اہل و عیال اور متعلقین کو سلامت رکھے''، ''اللہ تمہارے دین و ایمان کو سلامت رکھے''، ''اللہ تم کو دنیا میں بھی سلامتی عطا فرمائے اور آخرت میں بھی، اس کے علاوہ اللہ پاک تمہیں اُن سلامتیوں سے بھی نوازے جو میرے علم میں ہیں اور اُن سلامتیوں سے بھی نوازے جو میرے علم میں نہیں ہیں''، اگر ایک مسلمان اِن الفاظ کو پورے شعور کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنی زبان سے نکالے تو غور کیجئے کہ مخاطب کے لئے دُنیا میں اس سے بہتر دُعائیہ کلمات اور کیا ہو سکتے ہیں؟! اور ایک اِنسان سے ملاقات پر قلبی مسرت کا اظہار کرنے یا خلوص و محبت، خیر خواہی و ہمدردی کے جذبات کو ظاہر کرنے کے لئے اِس سے بہتر الفاظ اور کیا ہو سکتے ہیں؟

دُنیا کے دوسرے مذاہب میں ملاقات کے وقت اس قسم کے کلمات کا کوئی تصور ہی نہیں، وہ بس ایک رسم کے طور پر بے شعوری کے ساتھ کچھ الفاظ کہہ لیتے ہیں، افسوس کی بات ہے کہ موجودہ زمانے کے مسلمان بھی سلام کی حقیقت سے واقف نہیں اور ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو اس کا معنیٰ اور مطلب بھی معلوم نہیں ہے، حالانکہ حضور ﷺ نے آپس میں سلام کو رواج دینے کے لئے تاکید فرمائی اور اس کو افضل الاعمال قرار دیا ہے، کاش! مسلمان ''سلام'' کی اہمیت کو سمجھتے اور دوسرے لوگوں کی طرح محض رسمی انداز سے ادا نہ کرتے بلکہ اس کی حقیقت اور فوائد کو نگاہ میں رکھتے تو شاید پوری ملت کے باہمی خوشگوار تعلقات، اُنس و محبت، آپس میں ایثار و قربانی کے لئے سلام ہی کافی ہو جاتا، سلام کی اہمیت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مسلم معاشرے کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا بھی ہے اور پہنچتا جا رہا ہے۔

سلام خُلوص ومحبت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے

ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ: ’’تم لوگ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ مومن نہ بن جاؤ، (یعنی ایمان نہ لے آؤ) اوراس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کیا کرو، کیا میں تمہیں وہ تدبیر نہ بتاؤں جس کو اختیار کر کے تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو (وہ یہ ہے کہ)، سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔ (مسلم، مشکوۃ)

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں تمہیں ایسی تدبیر بتاتا ہوں جس کو اختیار کرنے سے تمہارے درمیان دوستی ومحبت بڑھ جائیگی وہ یہ کہ آپس میں کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ ایک اور روایت میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ سلام کو خوب پھیلاؤ اللہ تم کو سلامت رکھے گا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کئے رہے کہ جب دونوں ملیں تو ایک ادھر کترا جائے اور دوسرا اُدھر، ان میں افضل وہ ہے جو سلام میں پہل کرے، سلام ایک ایسا زبردست کلمہ ہے کہ اگر دو مسلمانوں میں سخت سے سخت دشمنی ہو اوران میں سے کوئی ایک پہل کر کے السلام علیکم کہہ دے تو دوسرا پشیمان جائے گا، دشمنی ڈھیلی پڑ جائے گی، لڑائی جھگڑا اور نفرت کا ماحول دور ہو کر محبت اور قربت کا ماحول پیدا ہوگا اور مخالف آدمی میں نرمی پیدا ہوگی، گویا سلام دشمنی کو دور کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ جب دو آدمی ایک دوسرے سے ملیں تو ان دونوں میں سے کون پہلے سلام کرے تو آپؐ نے فرمایا کہ جو سلام میں پہل کرے گا وہ بہتر ہوگا۔ (ترمذی)

دو حقیقی بھائی اتنے قریب نہیں ہوتے جتنے سلام کی برکت سے دو اجنبی مسلمان قریب ہو کر آپس میں محبت کرنے لگتے ہیں۔

ایمان والوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب ان کو جاہل لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتے؛ بلکہ سلامتی کی گفتگو کر کے سلام کرتے ہوئے الگ ہو جاتے ہیں، غور

کیجئے کہ جب کوئی انسان جاہل سے جاہل آدمی کوسلام کرتا ہے تو وہ جاہل بھی نرم پڑ جاتا ہے اورسلام کرنے والے کوشریف انسان سمجھتے ہوئے وعلیکم السلام کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے،غرض سلام ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے جو جھگڑوں کو آناً فاناً ختم کر دیتی ہے اور الحمدللہ یہ اللہ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہم کوایسی زبردست نعمت عطا فرمائی۔

سلام کوخوب پھیلانے کا حُکم

طبرانی میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے،جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا ہے،پس سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ،ایک مسلمان جب کسی مجلس میں جاتا ہے اور مجلس والوں کو سلام کرتا ہے تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا بلند مقام حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اس شخص نے سب کوسلام یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد دلائی، اگر مجلس والوں نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا تو اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق فرشتے جواب دیتے ہیں، گویا سلام اپنے مسلمان بھائی کو خدا تعالیٰ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی ہے۔

ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ ''سلام'' اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور ''السلام علیکم'' کے معنی یہ ہیں، اَللّٰہُ رَقِیبٌ عَلَیۡکُمۡ یعنی اللہ تمہارا محافظ ہے۔

سلام اسلام کا شعار (مخصوص پہچان) ہے، اسی لئے حضور ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگان خدا کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤ گے''۔(ترمذی)

غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام اور کھانے کے اثرات تقریباً یکساں ہوتے ہیں اور وہ ہیں ''باہمی ہمدردی اور اُنس ومحبت''، بخاری ومسلم کی ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اِسلام میں کونسا عمل سب سے زیادہ اچھا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بندوں کو (غریبوں کو) کھانا کھلاؤ اور یہ کہ کسی سے

تعارف ہو یا نہ ہو سب کو سلام کرو، ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان کو سلام کرو، جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ (بخاری)

گویا اِن احادیث میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ پہچان پہچان کر سلام نہ کرو مگر اس کے برعکس موجودہ زمانے میں ہمارا طریقہ یہ ہو گیا ہے کہ جب تک کوئی تیسرا آدمی تعارف نہ کروادے اس وقت تک ہم نہ کسی کو سلام کرتے اور نہ ملاقات کرتے ہیں، یہ متکبرانہ روش کی علامت ہے، یہ اِسلام کا تمدن نہیں، اسلام کا تمدن تو یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں اسلام کا رشتہ مشترک ہے اور اِسلامی اخوت اور بھائی چارگی پھیلی ہوئی ہے، تو کیا ضرورت ہے کہ کوئی ہمارا تعارف کرائے، پہلے ہی سے تعارف حاصل ہے کہ یہ ہمارا مسلمان بھائی ہے، اس میں اسلام وایمان بھرا ہوا ہے، اسی طرح بعض لوگ ایسی صورت پیدا کر دیتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سلام کے اِنتظار میں ہیں اور خود سلام میں پہل کرنا نہیں چاہتے اور سلام میں پہل کرنا اپنی بے عزتی تصوّر کرتے ہیں، مثلاً ساس اپنی بہو کو، آفیسر اپنے چپراسی کو، امیر کسی غریب کو، پڑھا لکھا مثلاً ڈاکٹر، انجینئر کسی ان پڑھ کو، سیٹھ اپنے نوکر کو سلام کرنے میں اپنی بے عزتی تصوّر کرتے ہیں اور دوسروں کو چھوٹا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں، اگر یہ تمام بڑے لوگ اپنے سے چھوٹوں کو ایک بار سلام کر دیں تو پھر دیکھئے چھوٹے ہمیشہ سلام کرنے کے لئے پہلے تیار رہتے ہیں، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی بڑا نہیں، سب کے سب چھوٹے اور محتاج ہیں، سب سے بڑی ذات تو اللہ کی ہے، اس کے سامنے سب چھوٹے اور فقیر ومحتاج ہیں، وہ اگر یہ نعمتیں نہ دیتا تو مالدار، آفیسر، علم والے، ڈاکٹر، انجینئر اور سیٹھ کہاں بنتے؟ یا وہ اگر امیر کی جگہ غریب کو اور غریب کی جگہ امیر کو کر دیتا تو کیا کرتے؟ جب یہ سمجھ میں آجائے گا تو ہر شخص کو سلام کرنے میں پہل کرنا آسان ہو جائے گا اور ہر انسان اپنے آپ کو اللہ کا محتاج سمجھے گا اور یہ تصوّر کرے گا کہ مجھے اللہ کے واسطے سلام کرنا ہے۔

اِسی طرح بعض مسلمان صرف غرض کی خاطر سلام کرتے ہیں اور غرض پوری ہو جانے کے بعد سلام نہیں کرتے، مثلاً لیڈر ووٹ لینے کے لئے بار بار لوگوں کو سلام کرتے اور تعلقات بحال رکھتے ہیں اور جیسے ہی ووٹ مل جاتا ہے تو پھر ایسے انجان بن جاتے ہیں جیسے پہچانتے ہی نہیں، بعض تاجر حضرات تجارت سے پہلے سلام کرتے ہوئے بڑے اچھے اخلاق سے پیش

آتے ہیں اورغرض پوری ہوجانے کے بعد دوسرا ہی روپ پیش کرتے ہیں۔

اِسی طرح بعض غریب لوگ قرض مانگنے یا بھیک مانگنے یا اپنا کام نکالنے کی خاطر بار بار غلاموں کی طرح سلام کرتے اور غرض پوری ہوجانے کے بعد انجان ہوجاتے ہیں۔

پس سلام کے آداب میں یہ ہے کہ جب دو مسلمان ملیں تو اللہ کے واسطے آپس میں ایک دوسرے کوسلام کریں اور یہ انتظار نہ کریں کہ دوسرا مجھے سلام کرے؛ بلکہ دونوں کو چاہئے کہ سلام کرنے میں پہل کریں، ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے ”فرمایا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے: اللہ جل شانہٗ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو (دوسرے کا انتظار کئے بغیر) خود سلام میں پہل کرے،“ (بخاری) اور آپ ﷺ نے خود اس بات پر عمل کرتے ہوئے صحابہؓ کی تربیت فرمائی، حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ ﷺ کثرت سے سلام کرتے تھے اور سلام کرنے میں پہل کرتے تھے اور چھوٹے بڑے، امیر غریب کا کوئی فرق نہ رکھتے تھے، اس لئے ہمیں بھی اپنے آقا ﷺ کی اِتباع اور پیروی میں اُستاد ہونے کے ناطے شاگرد کو اور والد ہونے کے ناطے بیٹے کو، امیر ہونے کے ناطے غریب کوسلام کرنے میں عار و توہین نہ سمجھنا چاہئے، صحابہؓ نے حضور ﷺ کی اطاعت اور نقل میں زندگی گذارتے ہوئے اپنی زندگی کو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی رہبری کے لئے نمونہ بنا کر چھوڑا ہے، جس کو پڑھ کر ہم اپنی اور ان کی زندگیوں میں فرق محسوس کرسکتے ہیں۔

صحابہؓ کی زندگیوں میں سلام کی اہمیت

حضرت طفیلؒ کہتے ہیں کہ اکثر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، ان کا طریقہ یہ تھا کہ مجھے ساتھ لے کر بازار جاتے اور جس کے پاس سے بھی گذرتے اس کوسلام کرتے جاتے، چاہے وہ کوئی غریب و مسکین ہو یا کوئی دُکاندار ہو یا کوئی کباڑی ہو، غرض کوئی بھی ہو آپؓ اس کوسلام ضرور کرتے، ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو معمول کے مطابق آپ نے کہا چلو بازار چلیں، میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جا کر کیا کریں گے؟ نہ تو آپ کسی دوکان پر کھڑے ہوتے ہیں، نہ کسی چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ

بھاؤ ہی کی بات کرتے ہیں اور نہ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں، (پھر آپ بازار کیوں جاتے ہیں؟) آیئے یہیں بیٹھ کر کچھ بات چیت کریں اور میں آپؓ سے اِستفادہ کروں، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ ہر ملنے والے کو سلام کریں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگانِ خدا کے جوابی سلاموں کی برکتیں حاصل کریں)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سلام میں پہل کرنے کا اتنا اہتمام فرماتے کہ کوئی شخص اُن سے پہلے سلام کرنے میں پہل نہیں کر پاتا، اس لئے ہر مسلمان کو سلام کرنے میں ایسی ہی جلدی کرنی چاہئے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق یہ ہے کہ جب مسلمان بھائی سے ملے تو اس کو سلام کرے۔ (مسلم شریف)

اس لئے زیادہ سے زیادہ سلام کرنے کی عادت ڈالئے اور سلام کرنے میں بخل نہ کیجئے اور دوسروں کے سلام کرنے میں پہل کا انتظار نہ کیجئے۔

سلام میں آقا اور غلام کا کوئی فرق نہیں

سلام کے الفاظ بہت ہی جامع اور محبت سے پر ہیں، ان میں کسی قسم کی مبالغہ آمیز تعظیم نہیں ہے کہ ایک شخص اُن الفاظ کو ادا کرے تو دوسرے شخص کے سامنے اس کا چھوٹا یا بڑا پن یا غلامی یا سرداری ظاہر ہو جیسے عام طور پر مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں مختلف الفاظ اور طریقے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کہیں بادشاہ کے دربار میں داخل ہوتے ہی سجدہ کیا جاتا ہے یا بادشاہ کی آمد پر سارے کے سارے درباری کمر برابر جھک کر بادشاہ اور حاکم کے لئے دس دس، پندرہ پندرہ، مرتبہ ہاتھ ہلا ہلا کر ''سرکار! آداب عرض ہے'' یا ''بندگی عرض ہے'' یا کچھ اور اسی قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں یا پھر کوئی غلام، نوکر یا باندی اپنے آقا سیٹھ یا آفیسر کے آتے ہی دونوں ہاتھ جوڑ کر ٹھہر جاتے اور ملاقات کرتے ہیں اور اس کے جواب میں بادشاہ یا سردار، سیٹھ اور آفیسر اپنے غلام، باندی، نوکر، چپراسی اور درباریوں کو کوئی عزت دار جواب بھی نہیں دیتے اور اکثر غیر مسلم تو اپنے سے چھوٹوں کے اِستقبالیہ کلمات پر جواب دینا

اپنی توہین سمجھتے ہیں اور بعض تو متکبرانہ انداز میں سر ہلا کر خاموش ہو جاتے ہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل سے مسلمانوں کے لئے ایک ایسے سلام کا طریقہ نازل فرمایا کہ جس کے امیر و غریب، آقا و غلام اور بادشاہ و درباری سب ہی محتاج ہیں اور سلام کی خصوصیت یہ ہے کہ جو اس کو ادا کرنے میں پہل کرے وہ افضل اور بہترین انسان مانا جائے گا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں اللہ کے قرب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے، (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد) ایک غلام، نوکر یا درباری کی طرف سے سلام کے الفاظ ادا ہو جانے کے بعد آقا، سردار اور بادشاہ کو بھی مجبوراً ویسے ہی الفاظ یا اس سے بہتر الفاظ میں جواب دینا پڑتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں پر کتنا بڑا احسان ہے، الحمد للّٰہ، قرآن پاک میں یہ کلمہ انبیاء اور رسولوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت استعمال فرمایا گیا ہے اور اس میں عنایت و توجہ اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے، ارشاد خداوندی ہے: سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ (سلامتی ہو ابراہیم علیہ السلام پر) سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ (سلامتی ہو رسولوں پر) سَلَامٌ عَلٰی مُوْسٰی وَ هَارُوْنَ (سلامتی ہو موسیٰؑ اور ہارونؑ پر)۔

سلام میں پہل کرنا تکبر کے نہ ہونے کی علامت بھی ہے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔ (شعب الایمان بیہقی)

اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سلام میں پہل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سلام کرنے والے کے دِل میں تکبر نہیں اور سلام میں پہل کرنا غرور و تکبّر کو دور کرنے کا علاج بھی ہے، اس کے علاوہ سلام میں پہل کرنے سے تواضع وانکساری پیدا ہوتی ہے۔

سلام اجنبی آدمی کے مسلمان ہونے کی پہچان ہے

اسلام نے اپنے پیروؤں کے درمیان سلام کو گویا آپس میں پہچان کی علامت اور جانچ

بھی بتایا ہے، ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ جب دنیا کے کسی کونے کا آدمی ہمارے ملک میں آتا ہے، چاہے وہ چینی ہو یا افریقی ہو یا انگریز ہو، اگر وہ کسی مسلمان کو دیکھ کر اسے ''السّلام علیکم '' کہہ دیتا ہے تو فوراً پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ چینی، افریقی یا انگریز، مسلمان ہے، پھر آپ کو مسلمان ہونے کے ناطے اس سے انس اور ہمدردی پیدا ہوجاتی ہے اور آپ اس اجنبی مسلمان کے قریب ہوکر ملاقات کرتے اور اس کے حالات دریافت کرتے ہوئے اس کی مدد بھی کرنا چاہتے ہیں یا بوقتِ ضرورت اس کی صحیح رہنمائی کردیتے ہیں، اُسے دیکھ کر آپ کو دلی خوشی بھی ہوتی ہے کہ غیر مسلم علاقوں میں بھی اسلام کے ماننے والے پیدا ہورہے ہیں، یہ سب آپ کو سلام کا کلمہ ادا ہونے کے بعد ہی محسوس ہوتا ہے، گویا دو اجنبی آدمی جب سلام کے یہ الفاظ ادا کرتے ہیں تو ہزار بے گانگی کے باوجود پہچان کی ایک صورت پیدا ہوجاتی ہے اور آپس میں محبت اور ہمدردی کی کشش محسوس کرتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو خاص طور پر یہ ہدایت فرمائی کہ کسی علاقے میں جنگ کے لئے جانا پڑے تو وہاں اچھی طرح معلومات حاصل کرلو تاکہ اگر کوئی شخص اپنے ایمان کی شہادت دینے کے لئے تمہیں سلام کرے تو بغیر تحقیق کئے اس کے ایمان کا انکار نہ کرو۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمِنُو اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُواۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰی اِلَیۡکُم السَّلَامَ لَسۡتَ مُؤۡمِناً۔ ترجمہ:۔اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں (جنگ کے لئے) نکلو تو (مومن وغیر مومن اور دوست و دشمن کی) پوری معلومات اور تحقیق کرو اور جو تمہیں سلام کرے اُسے (فوراً) مت کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے۔ (النساء)

مومن کی جان کے احترام کی آخری حد یہی ہے جو اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے، عین جنگ کے دوران بھی اگر ایک شخص اپنے ایمان کے اظہار کے لئے سلام کردے تو پھر مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر تحقیق کے اس کے خلاف تلوار اٹھائے، جنگ کے ہنگامی حالات میں اس طرح کی تحقیق اگرچہ نہایت مشکل کام ہے اور یہ اندیشہ بھی ہے کہ اس سے دشمن فائدہ اٹھائے لیکن اسلامی غزوات میں اس ہدایت کی پوری پوری پابندی کی گئی، الغرض یہ سلام اور جوابِ سلام کا معاملہ کوئی رسمی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اسلامی معاشرہ میں یہ

وصل وفصل (تعلق جوڑنے اور توڑنے) کی بنیاد ہے، اسی وجہ سے قرآن نے اہمیت کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔

سلام گویا آپس میں ایک دوسرے سے امن کا معاہدہ ہے

گویا سلام یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ملت کے ایمانی فرزند ہیں، اس کے علاوہ وہ دو اجنبی مسلمانوں کے درمیان ڈر اور خوف کو دور کرنے کا بہت بڑا ذریعہ بھی ہے، یعنی اگر دو اجنبی مسلمان ایک دوسرے کو سلام کریں یا دو جان پہچان والے مسلمان ایک دوسرے کو سلام کریں تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی اپنی طرف سے اطمینان وامن دلاتے ہوئے سلامتی کی دُعا دے رہے ہیں، گویا سلام کا طریقہ مسلمانوں کے درمیان امن کا اعلان اور ایک اسلامی معاہدہ ہے جس میں مسلمان باہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہر ایک اپنے بھائی کی جان، مال اور عزت پر ناحق دراندازی سے باز رہے گا، شرارتوں سے تحفظ اور پائیدار امن کو یقینی بنائے گا، رفاقت، محبت اور باہمی تعاون کا برتاؤ کرے گا، یعنی کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو گویا وہ اس کو اپنی طرف سے ہر قسم کے نقصان اور تکلیف سے تحفظ دینے کا اعلان کرتا ہے، دوسرے مذاہب کے لوگ باہمی ملاقات کے جو الفاظ بولتے ہیں ان میں اسلامی ''سلام'' کی کوئی مناسبت اور مثال ہی نہیں۔

سلام کرنے کا طریقہ

وَإِذَا حُيِيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا۔ ترجمہ:۔ جب تم کو اکرام واحترام کے ساتھ سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طریقہ سے جواب دو یا (کم از کم) اسی طرح کے الفاظ جواب میں بولو۔ (سورہ النساء ۸۶)

سلام کے الفاظ دو طرح سے ادا کئے جاتے ہیں: (۱) السلام علیکم (۲) سلام علیکم اگر سلام کے ساتھ الف لام بھی کہے تو بہت بہتر، افضل اور مسنون ہے، اسی طرح سلام میں وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وبَرَکَاتُہٗ، کے الفاظ کا اضافہ کرنا بہتر جواب دینے اور مزید

ثواب و برکت کا ذریعہ ہے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے السلام علیکم کہا، آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا، جب وہ بیٹھ گیا تو حضورؐ نے فرمایا تمہیں دس نیکیوں کا ثواب ملا، پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم و رحمة اللّٰه تو آپؐ نے فرمایا تمہیں ۲۰ ر نیکیوں کا ثواب ملا، پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته ،تو حضورؐ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا، تمہیں ۳۰ ر نیکیوں کا ثواب ملا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

قرآنِ پاک کی جو آیت اوپر بیان کی گئی ہے اس میں اللہ جل شانہ، کا حکم ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس کا جواب اس سے بہتر الفاظ میں دو یا کم از کم ویسے ہی الفاظ کہو۔ اس کی تشریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس طرح فرمائی کہ ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس ایک صاحب تشریف لائے اور کہا السلام علیکم یا رسول اللّٰه! تو حضورؐ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا وعلیکم السلام و رحمة اللّٰه، پھر ایک اور صاحب تشریف لائے اور انہوں نے سلام میں یہ الفاظ ادا کئے ''السلام علیکم و رحمة اللّٰه ،آپؐ نے جواب میں ایک اور کلمہ بڑھا کر فرمایا وعلیکم السلام و رحمة اللّٰه وبرکاته، پھر ایک تیسرے صاحب تشریف لائے اور انہوں نے اس طرح سلام کیا ''السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته تو آپؐ نے جواب میں صرف وَعلیک فرمایا، ان کے دل میں خیال پیدا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! میں نے ان سب الفاظ کے ساتھ سلام کیا تو آپؐ نے وَعلیک پر اکتفاء فرمایا؟ تب حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے لئے کوئی کلمہ چھوڑا ہی نہیں کہ ہم جواب میں اضافہ کرتے، تم نے سارے کلمات اپنے سلام ہی میں جمع کر دئے، اس لئے ہم نے قرآنی تعلیم کے مطابق تمہارے سلام کا جواب بالمثل دینے پر اکتفا کرلیا۔

حدیث مذکور سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سلام کا جواب ویسا ہی دو یا اس سے بہتر الفاظ میں دو، اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی السلام علیکم کہے تو اس کا ویسا ہی

جواب وعلیکم السلام ہوگا،اوراس سے اچھے الفاظ میں جواب دینا ہوتو سلام کرنے والے کے الفاظ سے بڑھا کر جواب دیا جائے مثلاً السلام علیکم کہا جائے تواس کا بہتر جواب وعلیکم السلام و رحمۃ اللّٰہ ہوگا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کلمات کی یہ زیادتی صرف تین کلمات تک مسنون ہے،اس سے زیادہ کرنا مسنون نہیں اور حکمت اس کی ظاہر ہے کہ سلام کا موقع مختصر کلام کرنے کا ہوتا ہے،اس میں خواہ مخواہ زیادتی مناسب نہیں جو کسی کام میں خلل انداز ہو یا سننے والے پر بھاری اورگراں گذرے،اسی لئے جب ایک صاحب نے اپنے ابتدائی سلام ہی میں تینوں کلمے جمع کردئے تو رسول اللہ ﷺ نے آگے اور زیادتی سے اعتراض فرمایا،اس طرح کی مزید تشریح حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس طرح فرمائی کہ مذکورہ تین کلموں سے زیادہ الفاظ ادا کرنے والے کو یہ کہہ کرروک دیا گیا کہ ’’اِنَّ السَّلامَ قَدِ انْتَھیٰ اِلَی الْبَرکَۃِ ‘‘یعنی سلام لفظ برکت پرختم ہوجاتا ہے،اس سے زیادہ کرنا مسنون نہیں ہے،تیسری بات حدیث مذکور سے یہ معلوم ہوئی کہ سلام میں تین کلمے کہنے والے کے جواب میں اگر صرف ایک کلمہ ہی کہدیا جائے تو وہ بھی ادا بالمثل ہے اور حکم قرآنی کی تعمیل کے لئے کافی ہے جیسا کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صرف ایک کلمہ پراکتفا فرمایا۔(تفسیر مظہری)

آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب کسی مسلمان کوسلام کیا جائے تواس کے ذمہ جواب دینا تو واجب ہے،اگر بغیر کسی عذر شرعی کے جواب نہیں دیا تو گنہگار ہوگا،البتہ جواب دینے میں دو باتوں کا اختیار ہے،ایک یہ کہ جن الفاظ سے سلام کیا گیا ہےان سے بہتر الفاظ میں جواب دیا جائے،دوسرے یہ کہ ویسا ہی جواب دیا جائے،سلام کا جواب نہایت خوش دلی اور خندہ پیشانی سے مسکراتے چہرے کے ساتھ دینا چاہئے،اکثر بے شعوراور کم علم مسلمان سلام کے جواب میں مختلف قسم کے دوسرے الفاظ استعمال کرتے ہیں،مثلاً کوئی کہتا ہے جیتے رہو عمر بڑی ہو،اورکوئی کہتا ہے اچھے رہو بیٹا وغیرہ وغیرہ یا اسی قسم کے کچھ الفاظ کہتے ہیں،یہ سلام کا جواب نہیں ہے اوراس سے سلام کا جواب ادا نہ ہوگا اور یہ قرآنی حکم کے خلاف ہے،اکثر مسلمان سلام کے الفاظ کو چھوڑ کر بے شعوری کے ساتھ آداب عرض ہے یا جناب کی خدمت

میں آداب یا تسلیم عرض ہے کہتے ہیں اور کہیں پر السلام علیکم کے بجائے اھلاً مرحباً۔ صباحاًنور (صبح پُرنور ہے) صباحاً الخیر (صبح اچھی ہے) اھلاً و سھلاً (خوش آمدید) کہا جاتا ہے، ان الفاظ کے ادا کرنے سے سلام ادا نہ ہوگا اور نہ اس کا کوئی ثواب ملے گا اور بہت سارے لوگ ''آداب عرض ہے'' کے معنی ہی نہیں جانتے اور جب ان سے دریافت کیا جائے تو اس کے معنی ہی بتانے سے مجبور نظر آتے ہیں، مگر بغیر سوچے سمجھے بس سلام کے کلمہ کو چھوڑ کر آداب عرض ہے کے الفاظ کہتے رہتے ہیں'' آداب عرض ہے'' دراصل ہندوستانی اور ایرانی کلچر کا اثر ہے، ابوداؤد میں حضور ﷺ کے صحابی حضرت عمران بن حصینؓ کا یہ بیان ہے کہ ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں اَنْعَمَ اللّٰہُ بِکَ عَیْناً (خدا آنکھوں کو ٹھنڈا کرے) اور اَنْعِمَ صَبَاحًا (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کہا کرتے تھے، جب ہم لوگ جہالت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آئے تو ہمیں اس کی ممانعت کردی گئی اور اس کے بجائے ہمیں السلام علیکم کی تعلیم دی گئی، اسی طرح اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو صرف ''سلام صاحب سلام'' کہتا ہے تو اسے جواب نہیں دینا چاہئے؛ بلکہ اسے بتا دیا جائے کہ خالی سلام کا لفظ کہنا درست نہیں اگر کوئی جھک کر سلام نہ کرے تو اکثر بوڑھے اور بڑے لوگ بُرا مانتے ہیں، یہ جہالت اور نادانی ہے، سلام کرنے میں جھکنا بُرا ہے، حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ (ترمذی عن انسؓ)

اسی طرح ہاتھ اُٹھا کر سلام نہ کرے صرف زبان سے سلام کے کلمات ادا کرے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا، یہود کا طریقہ انگلیوں سے اشارہ کرنا اور نصاریٰ کا ہتھیلی کے اشارہ سے سلام کرنا ہے، (ترمذی) پس سنت طریقہ یہ ہے کہ صرف زبان سے سلام کے الفاظ ادا کئے جائیں۔

ہاں اگر مخاطب دور ہو کہ آپ کی آواز وہاں تک نہ پہنچ سکتی ہو یا بہرہ ہو تو سلام کے الفاظ زبان پر آہستہ ادا کرتے ہوئے ہاتھ کے اشارہ سے بھی سلام کیا جاسکتا ہے، بہت سے لوگ دور سے سلام کرنے میں صرف ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کردیتے ہیں اور زبان سے سلام کے الفاظ ادا نہیں کرتے، ایسی صورت میں سلام ادا نہیں ہوتا اور نہ ہی سلام کا ثواب ملتا ہے، آہستہ سے

زبان پر السلام علیکم الفاظ ادا کرنا ہوگا، اسی طرح مخاطب بھی ہاتھ کا اشارہ دیکھ کر دوسری طرف سے ہاتھ اُٹھا کر جواب دینے کا اشارہ کر دیتا ہے، اس سے بھی سلام کا جواب ادا نہ ہوگا بلکہ ہاتھ کا اشارہ ظاہر کرتے ہوئے بھی آہستہ سے اپنی زبان پر وعلیکم السلام کے الفاظ ادا کرنے ہوں گے، تب ہی جواب ادا ہوگا، یہ صرف دُور کی حالت کے لئے جائز ہے، ورنہ قریب میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کے لئے ایک دوسرے کو ہاتھ اُٹھانے کی ضرورت نہیں، صرف زبان سے کلمات ادا کرنا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو سلام کرو تو اپنا سلام اس کو سناؤ اس لئے کہ سلام خدا کی طرف سے نہایت پاکیزہ اور برکت والی دُعا ہے، (الادب المفرد) ہمیشہ زبان سے السلام علیکم کہہ کر سلام کیجئے اور ذرا اونچی آواز سے سلام کے الفاظ ادا کیجئے تاکہ مخاطب سن سکے اور آپ کو جواب بھی دے سکے، جو حضرات بلا مجبوری اور بے ضرورت ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر سلام کرنے کے عادی ہیں وہ ثوابِ سنت سے بھی محروم ہیں، ہاتھ کا خواہ مخواہ اُٹھانا غیر اسلامی رواج ہے اور ایک غیر ضروری رسم ہے، اس کی مخالفت کرنا ہم سب پر ضروری ہے، مسلم معاشرے میں یہ بھی ایک غلط رسم بن چکی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بچپن ہی سے ہاتھ اُٹھا کر سلام کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے؛ حالانکہ ہاتھ اُٹھانے کی بجائے زبان سے کلمات ادا کرنے کی ترغیب دی جانی چاہئے۔

اسلام میں غیروں کی مشابہت سے ممانعت

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم۔ (جو جس قوم کی روش پر چلے گا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا) حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت سے منع فرمایا، بہت سارے ماڈرن مسلمان سلام کی عظمت اور اہمیت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے یا اِسلامی کلچر کے مقابلہ میں مغربی کلچر کے شوقین ہونے کی وجہ سے باہمی ملاقات کے وقت یا تو یہود ونصاریٰ کے طریقوں کی نقالی اور مشابہت کرتے ہیں یا غیروں ہی کے الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں اور سلام جیسی عظیم الشان نعمت والی دُعاء سے اپنے آپ کو، اپنے

بچوں اور اپنے دوستوں کو محروم کردیتے ہیں۔

مثلاً کوئی تو یہود کی طرح انگلیوں سے صرف اِشارہ کرتا ہے اور زبان سے کوئی لفظ نہیں بولتا، اور کوئی عیسائیوں کی طرح ہتھیلی کے اشارہ سے ہیلو یا ہائے ہائے کے الفاظ ادا کرتا ہوا ملاقات کرتا ہے اور بہت سارے نادان فیشن کے شوقین اور مغربی تہذیب کے دیوانے تو سلام کے الفاظ ادا کرنے کے بجائے غیروں کی نقالی کرتے ہوئے گڈ مارننگ اور گڈ نائٹ جیسے الفاظ اِستعمال کرکے اپنے بیوی بچوں کی تربیت کرتے اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے ملاقات کراتے ہیں، اُن کے نزدیک گڈ مارننگ اور گڈ نائٹ بہت ہی عمدہ اور عزت دار الفاظ ہوتے ہیں، وہ یہ تصوّر کرتے ہیں کہ یہ الفاظ اِستعمال کرنے سے ہم تعلیم یافتہ سمجھے جائیں گے، اوران الفاظ کے استعمال سے ہم کو سوسائٹی اور معاشرے میں عزت ملے گی، ان کے نزدیک اسلامی سلام کی کوئی اہمیت اور قدر نہیں ہوتی، ایسے لوگ آدھے مسلم اور آدھے عیسائی (کرسچن) طور طریقے اور تہذیب کو پسند کرنے والے ہوتے ہیں۔

جو مسلمان انگریزی میڈیم اسکول چلاتے ہیں ان کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ وہ بچوں کو السلام علیکم سکھانا گری ہوئی بات سمجھتے ہیں اور گڈ مارننگ، گڈ آفٹر نون، گڈ ایوننگ سکھانا اعلیٰ تہذیب سمجھتے ہیں، وہاں کے ٹیچر بھی بچے ان کو السلام علیکم کہیں تو چڑ کر کہتے ہیں کہ کیا یہ اردو میڈیم اسکول ہے؟ حالانکہ ایسے لوگوں کو انگریزی میڈیم اسکول چلانے کے بہانے بچوں کو زیادہ سے زیادہ اسلامی کلچر سکھانا چاہئے۔

گڈ مارننگ اور گڈ ایوننگ کی حقیقت کچھ بھی نہیں

سب سے پہلے ان الفاظ کے معنوں پر غور کیجئے، اُن کے معنی ہیں ''صبح اچھی ہو'' یا ''اچھی صبح''، اسی طرح ''رات اچھی ہو'' یا ''اچھی رات''، ظاہر ہے کہ اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ذکر ہے اور نہ کوئی دعائیہ انداز، فرض کیجئے کہ کوئی شخص صبح صبح کسی کے گھر جائے اور وہاں پر کسی کا انتقال ہوگیا ہو اور وہ لوگ غم اور پریشانی میں بیٹھے ہوں اور یہ شخص جا کر گڈ مارننگ کہے تو کیا یہ الفاظ ان کے حالات سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں؟ ان کی صبح تو پریشانی اور غم کی صبح ہے،

حالانکہ ان کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ غم اور پریشانی کا ماحول دور کرنے کے لئے ان پر رحم کیا جائے اور ان کی پریشانی اور غم دور ہو کر خوشی اور سکون والی زندگی کی سلامتی نصیب ہو، اسی طرح اگر کسی کی دوکان کو سرِ شام آگ لگ گئی ہو اور کوئی اس کے پاس جا کر گڈ ایوننگ کہے تو کیا یہ الفاظ اس کے لئے مناسب اور موزوں ہونگے؟ ظاہر ہے کہ نہیں ہونگے، کیونکہ اس کو تو پریشانی دور ہونے اور اس کے نقصانات کی تلافی کے لئے رحمت اور برکت چاہیے تا کہ وہ پھر سے سکون وسلامتی کے ساتھ اپنی تجارت والی زندگی میں آجائے، اسی طرح بہت سارے مسلمان کاروبار، نوکری، محلّہ داری میں غیر مسلموں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے وقت غیر شعوری طور پر کم علمی کی وجہ سے غیر مسلموں کو اُن کے مذہبی الفاظ کہتے ہوئے ملاقات کرتے ہیں جو اسلامی تعلیمات اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع کے بالکل خلاف ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا یہود ونصاریٰ کو سلام نہ کرو، (مسلم) اہل ہنود اور دوسرے غیر مسلم سب اسی حکم میں ہیں، شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور نا قابل معافی جرم بھی ہے، اس لئے مشرک انسان کو اس حال میں بقائے وسلامتی کی دعا دینا بے فائدہ اور بے محل بات ہوگی، غرض ہم خود بھی اچھی طرح عقلاً یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کافر ومشرک کے لئے سلام اور اس جیسی دُعا کی ممانعت کیوں آئی ہے، اگر غیر مسلموں کو مجبوری کی شکل میں سلام کرنا ہو تو ''آداب عرض ہے'' کہہ دیجئے یا اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی) کہیں اور اگر غیر مسلم آپ کو سلام کرے تو آپ اس کے جواب میں هداك الله کہہ دیجئے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ''اللہ تجھے ہدایت دے''، غرض اسلام میں مومن کی ہر حالت میں بہتری اور اچھائی پیدا کرنے کے لئے السلام علیکم کے کلمات رکھے گئے ہیں تا کہ اس پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی رہے اور اس کے ہر اچھے کام میں سلامتی باقی رہے۔

گھروں میں داخل ہوتے وقت خاص طور پر سلام کرنے کا حُکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتاً فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً۔ (النور:٦١) ترجمہ:۔پس تم اپنے گھروں میں داخل ہوا

کروتو اپنے (گھر والوں) کوسلام کیا کرو، دُعائے خیر اللہ کی طرف سے (تعلیم کی ہوئی) بڑی ہی بابرکت اور پاکیزہ ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹا! جب تم اپنے گھر میں داخل ہوا کروتو پہلے گھر والوں کوسلام کیا کرو، یہ تمہارے اورتمہارے گھر والوں کے لئے خیر و برکت کی بات ہے۔(ترمذی)

حدیثوں سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ بچوں اور عورتوں کو بھی سلام کیا کرتے تھے، گھر والوں کو بھی سلام کیا کرتے تھے، گھر والوں کوسلام کرنا گویا ان کوسلام سکھانے کا بہترین طریقہ ہے تا کہ وہ ادب بھی سیکھ جائیں اور حضور ﷺ کی سنت بھی پوری ہو۔

مگرافسوس ہے کہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے پاس گھروں میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا رواج ہی نہیں، یا تو مسلمان گھروں میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے سے شرماتے ہیں یا پھر بالکل ہی اس حکم سے ناواقف ہیں اور گھروں میں بالکل بے شعوری کے ساتھ غیر مسلموں کی طرح داخل ہوجاتے ہیں، غیر مسلموں کے پاس اس قسم کے کوئی کلمات نہیں، وہ بغیر کچھ کہے گھروں میں داخل ہوجاتے ہیں، اُن کے نزدیک صرف ملاقات کے وقت ہی گھر سے باہر رہنے والوں کے لئے کچھ بے معنی الفاظ ادا کرلینے کی ایک رسم ہے، اسی طرح یہی تصور آج مسلمانوں کا بھی بن گیا ہے، وہ یہ کہ سلام صرف گھر سے باہر رہنے والوں ہی کو کیا جائے، آپس میں سلام کا کوئی رواج ہی نہیں، اگر کوئی گھر والوں کوسلام کرلے مثلاً کوئی شوہر اپنی بیوی کوسلام کرے تو گھر کی بوڑھی عورتیں طعنہ دیتی ہوئی اس کو بیوی کا غلام کہتی ہیں، کوئی باپ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کوسلام کرتا ہوا نظر نہیں آتا، نہ بچے اپنے ماں باپ کوسلام کرتے ہیں اور نہ ہی ماں باپ اپنے بچوں کوسلام کرتے ہیں۔

غرض شریعت کی ہدایات کی روشنی میں ہم کو اپنے مالک اور پروردگار کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہر بار بلند آواز سے سلام کرتے ہوئے اپنے گھروں میں داخل ہونا چاہئے اور بچوں کو بھی اسکول، بازار اور مسجد وغیرہ سے گھر میں داخل ہوتے وقت ہر بار سلام کرنے کی ترغیب دینی چاہئے، اسی طرح کسی دوسرے کے گھر جائیں تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام کرنا ہوگا، سلام کے بغیر گھر میں نہ جانا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡ بُیُوتاً غَیۡرَ بُیُوتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡ عَلٰی اَھۡلِھَا۔ (النور:۲۷) ترجمہ:۔اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں سے اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دو حکم دیا ہے، ایک یہ کہ اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے کے گھروں میں بغیر اِجازت داخل نہ ہو اور دوسرا یہ کہ جب داخل ہونے کی اجازت مل جائے تو سب سے پہلے سلام کرو، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو وداعی سلام کر کے نکلو۔ (شعب الایمان بیہقی)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو چاہئے کہ پہلے مجلس والوں کو سلام کرے، پھر بیٹھنا مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے اور جب جانے لگے تو پھر سلام کرے، (اور پہلا سلام بعد والے سلام سے اعلیٰ اور بالا نہیں ہے) یعنی بعد والے رخصتی کے سلام کا بھی وہی درجہ ہے جو پہلے سلام کا ہے، اس سے کچھ کم نہیں۔ (ترمذی)

آج کل مسلمانوں کے گھر سلام کی برکتوں سے خالی نظر آرہے ہیں

مگر افسوس! مسلمان گھرانوں میں بھی نہ تو داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا طریقہ ہے اور نہ رخصت ہوتے وقت سلام کرتے ہیں اور اکثر لوگ تو رخصت ہوتے وقت سلام کرنے کے بجائے خدا حافظ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ سلام میں سلامتی نہیں بلکہ خدا حافظ یا اور کچھ اِسی قسم کے جملے کہنے میں سلامتی ہے، حالانکہ سلام کے الفاظ میں خود ساری سلامتی اور حفاظت موجود ہے اور ایک انسان کو وداع کرتے وقت سلام سے بڑھ کر اس کے لئے اور کیا دُعا ہوسکتی ہے؟ یہ سب اپنے اپنے ذہنوں کی ایجاد ہے، سنت تو یہ ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت بھی سلام کیا جائے اور نکلتے یا رخصت ہوتے وقت بھی سلام ہی کیا جائے، اکثر مسلمان رسم ورواج کے تحت سلام کرنے کے بہت عادی نظر آتے ہیں اور

سلام وہاں نہیں کرتے جہاں انہیں خاص طور پر شریعت حکم دیتی ہے بلکہ سوسائٹی کے رسم و رواج کی خاطر باپ دادا کے جاہلانہ طریقوں پر اسلام کے خلاف عمل کرتے ہوئے مختلف مواقع پر خاص طور سے سلام کا اہتمام کرتے ہیں، مثلاً عورتیں نئے کپڑے اور زیور پہن کر، بچے عید کے موقعوں پر عیدی وصول کرتے وقت، دولہا سلامی اور تحفے لیتے وقت یا کوئی امتحان میں کامیابی پر یا پان بنا کر دینے والے، خاص طور پر فرداً فرداً سلام کرتے پھرتے ہیں، یہ سب رسم ورواج ہیں جس کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے، اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی تھوڑی دیر کے لئے بھی ایک دوسرے سے اُوجھل ہو جائیں) اور اس کے بعد پھر ملیں تو سلام کریں، (ابوداؤد) اس حدیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں سلام کی کتنی اہمیت ہے۔

اکثر مقامات پر مختلف رشتہ دار مل جُل کر ایک ہی گھر میں زندگی گذارتے ہیں، مگر اُن کی عادت یہ ہوتی ہے کہ ہر روز صبح جب وہ بیدار ہو کر اپنے اپنے کمروں سے باہر نکل کر ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو نہ بچے ہی بڑوں کو سلام کرتے ہیں اور نہ عورتیں مردوں کو سلام کرتی ہیں اور نہ ہی مرد مردوں کو آپس میں سلام کرتے ہیں، بس کمروں سے باہر نکلتے ہی کوئی سیدھے رفع حاجت کو چلا جاتا ہے اور کوئی باورچی خانے کے کام شروع کر دیتا ہے اور بغیر سلام کئے ایک دوسرے سے کلام شروع کر دیتے ہیں، دودھ لانا ہے، ناشتہ کیا بنایا جائے، بیٹا منہ دھو لو، فلاں فلاں ترکاریاں لائیے وغیرہ، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''بات کرنے سے پہلے سلام کیا کرو،'' (ترمذی) مگر ہم لوگ اپنے گھر والوں کو سلام نہیں کرتے اور سلام کئے بغیر بات چیت شروع کر دیتے ہیں، جبکہ سنت یہ ہے کہ گھر کے افراد کو بھی سلام کیا جائے۔

غور کیجئے کہ جب ہمارے گھروں کی یہ حالت رہے گی اور ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے خلاف غیر مسلموں کی طرح زندگی گذاریں گے تو پھر ہمارے

گھروں میں بے برکتی اور لڑائی جھگڑے نہیں تو اور کیا ہوں گے؟ کہاں سے گھروں میں خیر وبرکت اور سکون پیدا ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کا تقریباً ہر گھر غیر مسلم گھرانوں کی طرح خانہ جنگی کا شکار ہوکر لڑائی جھگڑے کا دنگل بنا ہوا ہے یا پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بغاوت کا اڈّا اور تربیت گاہ بنا ہوا ہے، یعنی ہر گھر میں کہیں ساس بہو کی لڑائی، کہیں بھائی بھائی، کہیں ماں بیٹے کی لڑائی اور کہیں میاں بیوی میں تناؤ اور جن گھروں میں یہ سب کچھ نہیں وہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کھلے طور پر بغاوت ''ناچ، گانا بجانا، بے حیائی، بے پردگی، نیم عریانی، گالی گلوج، فضول خرچیاں اور نمازوں سے دُوری کا بازار گرم ہے اور اسلام سے بیزاری اور خیر وبرکات سے محرومی نظر آتی ہے۔

افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کو لوٹنے کے جو راستے ہیں اُن کو ہم اپنی زندگی میں عموماً اختیار ہی نہیں کرتے، اگر ہم اپنے گھروں میں سکون، راحت اور سلامتی چاہتے ہیں اور رحمتوں وبرکتوں والا نورانی ماحول چاہتے ہیں تو اللہ کے حکم کے مطابق ہمیں اپنے گھروں میں بھی سلام کے رواج کو خوب عام کرنا ہوگا اور گھر کے ہر فرد کو ہر بار گھر میں اندر اور باہر جاتے آتے وقت سلام کرنے کی ترغیب دینی چاہئے اور عادت ڈالنی چاہئے، گھر میں کوئی فرد ہو یا نہ ہو، ہر حالت میں گھر اور گھر والوں کے لئے سلامتی اور رحمت اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہوئے گھروں کی فضاء کو سلام جیسی نورانی دُعا سے بھر دیجئے، انشاء اللہ بہت جلد آپ سلام کی رحمتوں اور برکتوں کو محسوس کرنے لگیں گے۔

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کا جماعتی تعصب

موجودہ زمانے میں مسلمان اَن گنت جماعتوں اور گروپوں میں بٹ گئے ہیں اور اتنی شدت سے بٹ گئے ہیں کہ ایک گروپ والا دوسرے گروپ والے کا نہ اکرام کرتا ہے اور نہ اس کو سلام کرتا ہے، سلام واکرام صرف اسی کو کیا جاتا ہے جو ان کے اپنے گروہ اور گروپ سے وابستہ ہوں، گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلام اللہ کے واسطے نہیں کیا جارہا ہے بلکہ جماعت اور گروہ بندی کی وجہ سے کیا جارہا ہے، اکرام کلمہ کا نہیں بلکہ جماعت کا ہے، حالانکہ اللہ کے

پاس ایک کلمہ گو کے احترام کا یہ عالم ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ زمین پر ایک بھی کلمہ گو موجود ہو، مگر موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے پاس کلمہ کی نہیں بلکہ جماعت اور گروپ بندی کی قدر ہے اور وہ اُن ہی کو مسلمان سمجھتے ہیں جو ان کی جماعت اور گروہ سے وابستہ ہوں اور انہی کو وہ بار بار سلام کر کے خوش بھی ہوتے ہیں، غیر جماعتی افراد سے نہ سلام نہ کلام، بس نظر چُرا کر گذر جاتے ہیں، اگر مسلمانوں کا آپس میں یہ حال رہا تو کہاں سے ہمارے معاشرے میں سکون برپا ہوگا؟ اگر ہم ہر مسلمان کو سلام کر کے اُسے حیات طیبہ کی دُعا نہ دیں گے تو وہ کیسے نورانی ماحول اور اچھے اعمال کی طرف آئیں گے اور ان کی اصلاح کیسے ہوگی؟ ضروری ہے کہ آپس میں ہم زیادہ سے زیادہ سلام کریں، سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے، اپنے نفس کی اطاعت میں نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے نبی کی اتباع میں بامقصد زندگی گذاریں، سورۂ انعام کی آیت ۵۴ میں اللہ تعالیٰ نے نبیؐ سے خطاب کرتے ہوئے امت محمدیہ کو بالواسطہ اصولی تعلیم دی ہے کہ ’’جب آپؐ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہئے ’’السلام علیکم‘‘ تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے رحمت کا فیصلہ فرما دیا ہے‘‘۔

سلام کی عظمت اور حقیقت کو اِن آیات سے بھی سمجھئے!

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" جس طرح ملاقات یا رخصت کا کلمہ ہے، اسی طرح خیر مقدم کا کلمہ بھی ہے، مثلاً فرشتے نیک اور متقی لوگوں کی روحیں قبض کرتے وقت کہتے ہیں:

سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَo (نحل:۳۲)

ترجمہ:۔ سلام ہو تم پر، اپنے اعمال کی بدولت جنت میں چلے جاؤ۔

جب ایمان والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو فرشتے جنت کے ہر ہر دروازے سے داخل ہو کر اُن کو السَّلام علیکم کہیں گے: وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ o سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۔ (الرعد:۲۴)

(ترجمہ) اور فرشتے ہر ہر دروازے سے اُن کے استقبال کے لئے آئیں گے اور اُن سے

کہیں گے''سَلامٌ عَلَیْکُمْ '' (تم پرسلامتی ہے)تم نے دُنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو،اہل جنت آپس میں خود بھی ایک دوسرے کا اِستقبال سلام ہی کے کلمہ کے ساتھ کریں گے:دَعْوَاھُمْ فِیْھَا سُبْحٰنَکَ اَللّٰھُمَّ وَتَحِیَّتَھُمْ فِیْھَا سَلامٌ۔ (یونس۱۰)ترجمہ:۔وہاں اُن کی صدا یہ ہوگی کہ''اے خدا!تو پاک وبرتر ہے'' وہاں اُن کا استقبال سلامتی کی مبارکباد سے ہوگا۔

اُولٰٓئِکَ یُجزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْوَیُلَقَّوْنَ فِیْھَا تَحِیّةً وَّسَلاماً۔ (فرقان:۷۵)ترجمہ:ان کے صبر کا بدلہ اُن کو بلند مکان کی شکل میں دیا جائے گا اور سلام واکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔

تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ۔ (ابراہیم:۲۳)ترجمہ:۔وہاں اُن کا استقبال سلامتی کی مبارکباد سے ہوگا۔

وَلَقَدْ جَآءَ تْ رُسُلُنَا اِبْرٰھِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْ سَلاماً ط قَالَ سَلَمٌ۔ (ھود:۶۹)ترجمہ:اور دیکھو!ابراہیمؑ کے پاس ہمارے فرشتے خوشخبری لئے ہوئے پہنچے،کہا تم پر سلام ہو،ابراہیمؑ نے جواب دیا تم پر بھی سلام ہو۔

قِیْلَ یَا نُوْحُ اھْبِطْ بِسَلَمٍ مِنَّاوَبَرَکٰتٍ عَلَیْکَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَکَ۔ (ھود:۴۸)ترجمہ:۔حکم ہوا اے نوح!اُتر جاؤ!ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہیں تم پر اور ان لوگوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں۔

وَنَادَوْ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ۔(اعراف:۴۶)ترجمہ:۔اور وہ جنت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ''سلامتی ہو تم پر''۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَةِ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیْ یَآیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً۔ (الاحزاب:۵۶)ترجمہ:۔بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں،اے ایمان والو!تم (بھی) اُن پر درود وسلام بھیجو۔

وَقَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَا سَلَمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ۔ (الزمر:۷۳)ترجمہ:۔(جنتیوں سے جنت کے داروغہ) کہیں گے کہ''تم پر سلام ہو،تم اچھے

رہے، جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ! اللہ کے رسول ﷺ کو جب معراج نصیب ہوئی اور آپؐ آسمان پر تشریف لے گئے تو اللہ کی طرف سے آپ کو اور سارے عبادت گذار بندوں کو سلامتی، رحمت اور برکت کے کلمات ملے، جن کو امتِ مسلمہ کا ہر فرد نماز میں ''التحیات'' کے ذریعہ دُہراتا ہے۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔

ترجمہ:۔ تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اے نبیؐ! آپ پر سلام ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (بھی) ہو۔

غور کیجئے کہ التحیات میں سلام کے تینوں کلمات موجود ہیں، نماز کا اختتام بھی سلام ہی کے کلمات پر ہوتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه۔ (تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) نماز کے بعد کی دعاؤں میں ایک خاص دعا بھی سلامتی ہی سلامتی کی ہے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذِى الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ ترجمہ:۔ اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے، تیری ذات بابرکت ہے، اے عزت اور بزرگی کے مالک! مسلمانوں کو ہر سال شبِ قدر جو سلامتی والی رات ہے جس میں خیر ہی خیر بھرا ہوا ہے، اللہ کی رحمت سے نصیب ہوتی ہے، اس کے بارے میں سورۃ القدر میں فرمایا گیا: سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ (وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوعِ فجر تک) جنت میں جب مؤمن بندے داخل ہوں گے تو وہاں ان کو رب العالمین کی طرف سے سلام پہنچتا رہے گا: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ۔ (ان کو پروردگار کی طرف سے سلام فرمایا جاوے گا)۔

مسلمان سنت کی پیروی میں قبرستان کے پاس سے گذرتے ہوئے تمام اہل قبور کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ! کہہ کر گذرتے ہیں اور یہی کہتے ہوئے داخل ہوتے ہیں، سلام آدم کی اولاد کی کانوں میں اس وقت بھی گونجتا ہے جب وہ موت کے قریب ہوتا ہے، یہ سلام کی نعمت ایک صالح مومن کو سکون واطمینان عطا کرنے کے لئے نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ملک الموت کا سلام ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا وَلِیَّ اللّٰہِ قُمْ! وارد ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر سلامتی ہو اے اللہ کے دوست! اُٹھو اور اس خراب گھر سے نکل کر آباد شدہ گھر کی طرف روانگی اختیار کرلو، روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں آتے تو پہلے سلام عرض کرتے، معجزاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے تشریف لیجاتے تو درختوں اور پتھروں سے آپ ﷺ کو سلام کی آوازیں آتیں، یعنی جمادات ونباتات بھی آپ ﷺ کو سلام کرتے۔

مسائل

☆ اگر پوری جماعت میں سے ایک آدمی نے سلام کرلیا یا سلام کا جواب دے دیا تو سب کی طرف سے جواب سلام کا وجوب ساقطِ ہو جائے گا لیکن سنت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے سب کا آہستہ سے اپنی زبان پر سلام کے کلمات کو دہرالینا بہتر ہے۔

☆ اگر ایک شخص کو سلام کیا جائے تو اس پر واجب ہے کہ سلام کا جواب دے، لیکن اگر جماعت کو سلام کیا جائے تو سلام کا جواب دینا جماعت پر فرض کفایہ ہے یعنی ایک کا جواب سب کی طرف سے کافی ہے۔

☆ چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرنے میں پہل کرے، حضور ﷺ نے چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ سلام کرنے میں پہل کا ادب سکھایا ہے، یعنی چھوٹا بڑے کو سلام کرنے کا اہتمام کرے، لیکن آپؐ نے یہ بھی اِرشاد فرمایا کہ جو بھی سلام کرنے میں پہل کرے وہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ شخص ہے۔(ترمذی)

☆ پیدل چلنے والے یا کھڑے شخص کو چاہئے کہ وہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرے، اِمام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی سوار کی ملاقات بیابان اور سُنسان جگہ میں پیدل چلنے والے سے ہو جائے تو سوار پر لازم ہے کہ وہ سلام کرے تا کہ پیدل چلنے والا مطمئن ہو جائے۔

☆ اگر آپ کسی ایسی جگہ پہنچیں جہاں کچھ لوگ سو رہے ہوں تو ایسی آواز میں سلام کیجئے کہ جاگنے والے سُن لیں اور سونے والوں کی نیند میں خلل نہ پڑے۔

☆ حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب کچھ رات گئے تشریف لاتے تو آپؐ اس طرح سلام کرتے کہ سونے والا جاگے نہیں اور جاگنے والا سُن لے۔ (مسلم)

☆ سلام کا جواب فوراً دینا چاہئے، تاخیر گناہ ہے، جواب اس طرح دیا جائے کہ سلام کرنے والا سُن لے، اگر نہیں سنا تو جواب کا وجوب ساقط نہیں ہوا، اگر بالفرض وہ بہرا ہے تو اِشارہ یا لبوں کی جنبش سے سمجھ سکے گا تو اِسی طرح جواب دینا چاہئے۔

☆ اللہ کے رسول ﷺ نے راستے میں بیٹھنے سے منع فرمایا، جب لوگوں نے راستوں میں بیٹھنے کی ضرورت کو پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ راستے میں اگر بیٹھنا ہو تو راستے کا حق ادا کرو۔ اور راستے کا ایک حق یہ ہے کہ راستہ چلنے والوں کے سلام کا جواب دیا جائے۔

مسلمان پر مسلمان کے پانچ حقوق ہیں: (۱) سلام کا جواب دینا (۲) چھینک کا جواب دینا، (۳) بیمار ہو تو عیادت کرنا، (۴) جنازے کے ساتھ جانا، (۵) دعوت قبول کرنا۔

☆ جب کوئی شخص کسی کو سلام کہلا بھیجے تو اس پر سلام کا جواب دینا ضروری ہو جاتا ہے، خط میں سلام لکھا ہو تو اس کا جواب دینا بھی واجب ہے اور اگر کسی کی زبانی سلام بھیجے تو علیہ و علیکم السَّلام کہنا چاہئے۔

☆ جب کسی مسلمان کو سلام کیا جائے تو اس کے ذمہ جواب دینا واجب ہے، اگر بغیر کسی عذرِ شرعی کے جواب نہ دیا تو گنہگار ہوگا، البتہ جواب دینے میں دو باتوں کا اختیار ہے، ایک یہ کہ جن الفاظ سے سلام کیا گیا ہو اُن سے بہتر الفاظ میں جواب دیا جائے، دوسرے یہ کہ اُن ہی الفاظ سے جواب دیا جائے۔

☆ سلام کا جواب دئے بغیر اَھْلاً وَسَھْلاً مَرْحَباً کے ذریعہ اِستقبال کرنے سے واجب ادا نہیں ہوگا۔

وہ صورتیں جن میں سلام کرنا مکروہ ہے، ان حالات میں سلام کرنے سے پرہیز کیجئے۔

☆ محرم عورتیں: ماں، بہن، دادی، نانی وغیرہ کو سلام کرنا سنت ہے۔

☆ مرد کسی جوان عورت کو یا عورت کسی مرد کو تنہائی میں سلام کرے، دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

☆ جب لوگ قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے یا سُننے سُنانے میں مصروف ہوں تو سلام

نہ کرے۔

☆ اذان یا تکبیر کہنے میں یا حالتِ نماز میں کوئی مصروف ہو تو سلام نہ کرے۔

☆ جب کوئی خطبہ دینے اور سننے میں مصروف ہو، ان سب صورتوں میں سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا لازم نہیں۔

☆ جو شخص درس دینے یا علم حاصل کرنے میں مصروف ہو اُسے بھی سلام کرنا مکروہ ہے، یہی حکم سوتے ہوئے شخص کے بارے میں بھی ہے۔

☆ جب کوئی قضائے حاجت کے لئے بیٹھا ہو تو اسے بھی سلام نہیں کرنا چاہئے، اس حالت میں اگر کوئی مسلمان سلام کر دے تو فراغت کے بعد چاہے تو جواب دے سکتا ہے۔

☆ جب کوئی دین کی توہین یا گالی گلوج یا بیہودہ بکواس، فحش مذاق، جھوٹی سچی غیر سنجیدہ باتیں کر کے دین کو بدنام کر رہا ہو۔

☆ یا کوئی غیر اسلامی عقائد و نظریات کی تبلیغ کرتے ہوئے لوگوں کو دین سے گمراہ کرتے ہوئے بدعت پھیلا رہا ہو۔

☆ یا دینی شعار کا مذاق یا بے حُرمتی کر رہا ہو اور شریعت کے اصول واحکام کا مذاق اُڑا رہا ہو تو ایسی تمام صورتوں میں نہ صرف سلام کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے بلکہ اپنی بے تعلقی اور بیزاری و غصّہ کا اظہار بھی حکمت کے ساتھ کرنا ہوگا، تا کہ ایسے لوگوں کو اپنے اعمال پر شرمندگی اور گناہ کا احساس ہو سکے اور ان گناہوں سے باز آسکیں۔

☆ جو شخص علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہو یا شراب کے نشے میں ہو تو اسے سلام کرنا شرعاً سخت منع ہے۔

☆ ہماری زندگی اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہونی چاہئے اور ہمارے چال ڈھال، رہن سہن اور شب و روز سے نمایاں طور پر محسوس ہو کہ ہم مسلمان ہیں' ہمیں دیکھنے والا پہلی نظر میں سمجھ لے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں لیکن غم کی بات ہے کہ اب ہم ایسے نہیں رہے، ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دیکھنے سے مسلمان معلوم نہیں ہوتے، شکل وصورت اور لباس و پوشاک سے مسلمانیت ظاہر نہیں ہوتی، جب تک

زبان سے تعارف نہ ہو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بھائی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ہیں، جس کی وجہ سے ملاقات کے وقت ''سلام کی برکات سے'' دونوں محروم رہ جاتے ہیں، ہمیں اپنی یہ حالت بدلنی چاہیئے اور باطنی ایمان کے ساتھ اپنے ظاہر کو بھی ایمان کے تقاضوں کے مطابق بنانا چاہیئے، تاکہ ہر دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں ہمیں اُمت محمدؐیہ کا فرد سمجھ سکے اور سلام کرکے ہمیں دُعا دے سکے۔

☆ سلام کے جواب میں کوئی بددُعائیہ جملے نہ بولے جائیں، جب تک یہ یقین نہ ہوجائے کہ سلام کرنے والا بھی میرے ساتھ ایسا ہی کیا ہے، جیسے منافقین شرارت کرتے ہوئے السّلام علیکم کی جگہ السّامُ علیکم کہا کرتے تھے، جس کے معنی ہیں کہ ''موت اور ہلاکت ہو تم پر'' تو حضور ﷺ بھی جواب میں صرف ''وعلیکم'' ہی فرمایا کرتے تھے۔

☆ مراسلات اور خط وکتابت کے وقت پورا سلام تحریر کرنا چاہیئے، بعض لوگ تحیۃ وسلام یا ''سلام مسنون'' جیسے الفاظ لکھتے ہیں، اس سے مکمل سنت کا ثواب نہیں ملتا۔

گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اِجازت لیناضروری ہے!

ترجمہ:۔ ''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی اجازت (رضا) نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے، پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اِجازت نہ دیدی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہوجاؤ، یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے''۔ (سورہ نور آیت: ۲۷، ۲۸)

اس آیت میں لوگوں کو ایک دوسرے کے گھروں میں بے تکلفی کے ساتھ آنے جانے سے منع کردیا گیا ہے، غور کیجئے کہ اسلامی معاشرتی احکام میں یہ حکم کتنی تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، مگر افسوس کہ مسلمان اس سے یا تو واقف ہی نہیں یا پھر غافل بنے ہوئے ہیں، مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ دو چار بھائی بہن یا قریبی رشتہ دار ایک ہی محلّہ یا گلی میں رہتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے گھروں میں اتنی بے تکلفی کے ساتھ

آتے جاتے رہتے ہیں کہ اِجازت لے کر داخل ہونا صرف دوسرے رشتہ داروں ہی کے لئے تصوّر کرتے ہیں، وہ بغیر اجازت اپنے بھائی کے گھر میں داخل ہونا نہ گناہ سمجھتے ہیں اور نہ اُن کو دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے آداب ہی معلوم ہوتے ہیں، اکثر خواتین جب اپنے رشتے داروں کے گھر جاتی ہیں تو بالکل خاموشی کے ساتھ گیٹ کھول کر گھر میں کافی اندر آجانے کے بعد اپنی آمد کی اطلاع دیتی ہیں، خوب اچھی طرح یاد رکھئے کہ اس حکم میں ذرا سی تبدیلی اور سستی حضرت ابن عباسؓ کو پسند نہیں تھی، انہوں نے اسے آیت قرآن کے انکار سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس حکم کی حکمتوں اور مصلحتوں پر غور کیجئے

لوگوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں بے تکلفی کے ساتھ آنا جانا، بے حیائی و بے شرمی والا ایک شہوانی ماحول پیدا کرتا ہے، ایک انسان جب کسی کے گھر جائے تو شائستہ اور باصلاحیت انسان کی طرح جائے، اس سے مخاطب کے دل میں بھی قدر پیدا ہوگی، جب کسی کے گھر جاؤ تو جنگلی اور وحشیانہ طریقہ پر بغیر اِجازت گھس نہ جاؤ، ورنہ گھر والے آنے والے کو جنگلی، جاہل، بے ڈھنگا اور بد تمیز سمجھیں گے اور ایک مصیبت تصوّر کریں گے اور نہ اس کے لئے اُن کے دلوں میں خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوگا۔

بلا اِجازت کسی کے گھر میں داخل ہو جانے سے یہ اندیشہ بھی رہتا ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑ جائے گی اور پردے کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دل میں شیطانیت بھی پیدا ہو سکتی ہے، اِجازت لینے سے گھر کے اندر کا آدمی متوجہ ہو جاتا ہے، لوگ اپنے گھر کی تنہائی میں کوئی کام راز میں کرنا چاہتے ہیں، اگر کوئی بغیر اجازت گھر میں داخل ہو جائے تو ان کا راز فاش ہو سکتا ہے جسے وہ پسند نہیں کرتے، بغیر اِجازت داخل ہونے سے گھر کے اندر کے لوگ پریشان بھی ہو سکتے ہیں، خاص طور پر پردہ نشیں عورتوں کے لئے تو بہت بڑی گھبراہٹ کا موجب بنتا ہے، اجازت لینے سے گھر کے اندر کے لوگ مانوس ہو سکتے ہیں اور اُن کو وحشت بھی نہ ہوگی۔

اگر خود آپ اپنے ہی گھر میں داخل ہورہے ہوں تو داخل ہوتے وقت اچانک بغیر اطلاع کے اندر جانا بھی درست نہیں کہ پڑوس کی عورتیں یا نامحرم رشتے دار ہوں اور اُن کی بے پردگی ہوجائے، عورتیں عورتوں سے بھی ملنے جائیں تو اِجازت لے کر گھر میں داخل ہوں، اس سے گھر کے نامحرم مرد علٰحدہ گوشہ میں چلے جائیں گے اوراس سے بے پردگی اور بے شرمی و بے حیائی کا ماحول بھی پیدا نہیں ہوگا، چاہے مرد ہو یا عورت دونوں کو گھر میں جانے سے پہلے اِجازت لینا واجب ہے، حضرت ام ایاسؓ فرماتی ہیں کہ ہم عورتیں اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں اور اجازت لئے بغیر گھر میں داخل نہیں ہوتی تھیں۔

ماں، بہن، بیٹی کے گھر بھی جائیں تو اِجازت لینی چاہیے

اِسی طرح ایک شخص اپنی ماں بہن یا بیٹی یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی اِجازت لینا چاہیے، ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی والدہ کے پاس جاتے وقت بھی اِجازت لے لوں؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں'' تو اس شخص نے کہا یا رسول اللہؐ! میں تو اپنی والدہ ہی کے گھر میں رہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا پھر بھی اِجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ، اس نے کہا یا رسول اللہؐ! میں تو ہر وقت ان کی خدمت میں رہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا پھر بھی اِجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ، کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو؟ اس نے کہا: نہیں! فرمایا اس لئے اِجازت لے لینا چاہیے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کِسی ضرورت سے ستر کھولی ہوئی ہوں، موجودہ معاشرے میں بھی اکثر دیکھا گیا کہ جو اولاد ماں سے الگ رہتی ہے، جب ماں سے ملنے آتی ہیں تو بغیر اِجازت سیدھا گھر میں داخل ہوجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو ماں یا بھائی کا گھر ہے، اجازت کی کیا ضرورت ہے؟

اِجازت لینے کا مسنون طریقہ

اِجازت لینے میں دو باتوں کا خیال رکھیں، ایک اِجازت اور دوسرے سلام، اگر اِجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کریں اور پھر اِجازت طلب کریں،

اجازت لینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی پہلے اپنا نام بتائے اور پھر اِجازت طلب کرے، یعنی یہ کہے کہ میں فلاں صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔

اِمام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص سلام سے پہلے اِجازت لے اس کو اِجازت نہ دو (کیونکہ اِس نے مسنون طریقہ کو چھوڑ دیا)۔

ابوداؤد کی حدیث کا مفہوم ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اِس طرح اِجازت لی کہ باہر سے کہا: کیا میں آسکتا ہوں؟ آپؐ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص اِجازت کا طریقہ نہیں جانتا، باہر جا کر اِس کو طریقہ سکھاؤ اور یوں کہو سلام کرے، پھر اِجازت لے، ابھی خادم باہر بھی نہیں گیا تھا کہ خود اس شخص نے حضورؐ کے کلمات سن لئے اور اِسی طرح کہا یعنی سلام کیا اور پھر اِجازت لی۔

خطیب بغداد بصرہ گئے تو بغرضِ ملاقات حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دروازے پر دستک دی، حضرت مغیرہؓ نے اندر سے پوچھا کون؟ تو جواب دیا ''اَنـا'' یعنی میں ہوں! تو حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جس کا نام ''اَنَـــا'' ہو، پھر باہر تشریف لائے اور ان کو حدیث سنائی کہ ایک روز حضرت جابرؓ بن عبداللہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اِجازت لینے کے لئے دروازہ پر دستک دی، آنحضرتؐ نے اندر سے پوچھا کون؟ تو جابرؓ نے یہی لفظ کہدیا ''اَنـا'' یعنی میں ہوں، آپؐ نے فرمایا اَنَا اَنَا کہنے سے کیا حاصل ہے؟ اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا!

موجودہ معاشرے میں اس سے بھی زیادہ بُرا طریقہ یہ دیکھا جارہا ہے کہ آج کل بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی دروازے پر دستک دیتے ہیں اور جب اندر سے پوچھا جاتا ہے کہ کون ہیں تو خاموش کھڑے رہتے ہیں کوئی جواب ہی نہیں دیتے، یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذاء پہنچانے کا بدترین طریقہ ہے۔

بعض لوگ دستک یا کھٹکا اتنی زور سے مارتے ہیں کہ اندر کے لوگ سن کر گھبرا جاتے ہیں، اس لئے دستک یا کھٹکا متوسط انداز سے دیں تاکہ آواز اندر چلی جائے اور کوئی سختی ظاہر نہ ہو، جو لوگ حضور ﷺ کے دروازے پر دستک دیتے تھے تو اُن کی عادت یہ تھی کہ ناخنوں سے

دروازہ پر دستک دیتے تا کہ حضور کو تکلیف نہ ہو، جو شخص اِجازت کے مقصد اور حکمت کو سمجھ جائے گا وہ خود بخود اِن سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا اور جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہو اس سے بچے گا، اِجازت لینے کے طریقے ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف ہوتے ہیں، مثلاً دستک دینا، دروازے کی زنجیر بجانا، گھنٹی کا بجانا، یا شناختی کارڈ بتانا وغیرہ وغیرہ۔

جو لوگ اپنے دروازوں پر گھنٹی لگالیتے ہیں، اس گھنٹی کا بجانا بھی اجازت ہی میں شامل ہوگا بشرطیکہ گھنٹی کے بعد اپنا نام بھی ظاہر کردیا جائے، ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ کا اپنا قاعدہ یہ تھا کہ جب کسی کے ہاں تشریف لیجاتے تو دروازے کے عین سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ آپؐ دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہوکر اِجازت طلب فرمایا کرتے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص حضورؐ کے ہاں حاضر ہوا اور عین دروازے پر کھڑا ہوکر اِجازت مانگنے لگا، حضور ﷺ نے اسے فرمایا: بغل میں ہٹ کر کھڑے ہوجاؤ، اِجازت مانگنے کا حکم اِسی لئے ہے کہ نگاہ نہ پڑے، اِجازت طلب کرنے کے حکم سے صرف یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کسی کے گھر اچانک کوئی مصیبت آجائے، مثلاً آگ لگ جائے یا کوئی چور گھس آئے، ایسے موقع پر مدد کے لئے بغیر اِجازت جاسکتے ہیں، بخاری، مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اِجازت لینے میں تین مرتبہ پکارنے کی حد مقرر کردی گئی ہے اور فرمایا اگر تیسری مرتبہ پکارنے پر بھی جواب نہ آئے تو واپس ہوجاؤ، یہ تین مرتبہ جلدی جلدی نہ پکارنا چاہئے بلکہ ذرا ٹھہر ٹھہر کر پکارنا چاہئے تا کہ صاحبِ خانہ اگر مصروف ہو تو مشغولیت سے فارغ ہونے کا اُسے موقع مل سکے۔

اِجازت طلب کرنے میں بے جا اصرار کرنا درست نہیں، ہر شخص کو حق ہے کہ وہ کسی سے نہ ملنا چاہے تو اچھے اخلاق کے ساتھ معذرت کرلے، اس پر بُرا نہ ماننا چاہئے، کیونکہ ہر شخص کے حالات اور اس کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، بعض وقت کوئی مجبور ہوتا ہے، باہر نہیں آسکتا اور نہ آپ کو اندر بلاسکتا ہے، تو ایسی حالت میں اس کے عذر کو قبول کرنا چاہئے۔

شریعت اسلام نے حسن معاشرت کے آداب سکھائے اور سب کو ایذاء و تکلیف سے بچانے کا انتہائی معتدل نظام قائم کیا، مذکورہ آیت میں جس طرح آنے والے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر اِجازت مانگنے پر اِجازت نہ ملے اور کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو کہنے

والے کو مجبور سمجھو اور خوشدلی کے ساتھ واپس لوٹ جاؤ، بُرا نہ مانو۔

اِسی طرح ایک حدیث میں اس کا دوسرا رخ اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص آپ سے ملاقات کے لئے آئے اس کا بھی آپ پر حق ہے کہ اس کو اپنے پاس بلاؤ یا باہر آ کر اس سے ملو، اس کا اکرام کرو، بات سنو، شدید مجبوری کے بغیر ملاقات سے انکار نہ کرو، اس کے برعکس موجودہ معاشرے میں اکثر لوگ جب مصروف رہتے ہیں یا ملنا نہیں چاہتے تو گھر کے اندر ہی سے بچوں کو جھوٹ سکھا کر بھیجتے ہیں اور بچے جانتے بوجھتے باہر آ کر مجبوراً جھوٹ بولتے ہیں کہ ابّا گھر پر نہیں ہیں، غور کیجئے! یہ کتنی بُری بات ہے کہ خود بھی جھوٹ بول رہے ہیں اور بچوں کی تربیت بھی جھوٹ سے کر رہے ہیں، حالانکہ اسلام نے کھلی اِجازت دی ہے کہ اگر مجبوری ہو تو آنے والے سے اپنی مجبوری کا اظہار کر دیا جائے کہ ابھی مصروف ہیں یا سو رہے ہیں یا ملاقات کے لئے وقت نہیں ہے، یاد رکھئے جھوٹ بولنا منافق کی علامت ہے، ایمان والا ہمیشہ سچ کہے گا، کسی کے گھر ملاقات کے لئے اگر جائیں اور اِجازت حاصل کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو تاک جھانک نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ یہ اِجازت حاصل کرنے کی مصلحت کے بالکل خلاف ہے، اور حدیثوں میں تاک جھانک کرنے والوں کے لئے سخت ناراضگی وسزا کا حکم بھی آیا ہے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے گھر کے لوگ پردہ نہیں کرتے، مثلاً چھوٹے بچے، نوکرانی، باندی اور غلام، اُن کے لئے بار بار اِجازت لینا بڑی ہی تکلیف کا ذریعہ بن جاتا ہے، مگر اُن کے لئے بھی اِجازت طلب کرنے کے خاص خاص اوقات شریعت نے مقرر کر دئے ہیں، مثلاً نماز عشاء کے بعد، نماز فجر سے پہلے اور دوپہر کو جب قیلولہ کے لئے لیٹے، اِن اوقات میں مذکورہ لوگوں کو بھی اِجازت کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

داخلہ سے متعلق شرائط وپابندیاں واجب العمل ہیں!

رفاہِ عام کے وہ ادارے جہاں عوام الناس کو عام اِجازت ہو اگر ان کے ذمہ داروں کی طرف سے داخلہ کے لئے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں تو اس کی پابندی شرعاً واجب ہے، مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر بغیر پلیٹ فارم ٹکٹ کے جانے کی اجازت نہیں ہے تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا

ضروری ہے، اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے، مگر اکثر لوگ علم نہ ہونے کی وجہ سے بغیر پلیٹ فارم ٹکٹ کے ہی داخل ہوجاتے ہیں اور اس پر ان کو کوئی احساس بھی نہیں ہوتا، اسی طرح ہوائی اڈے یا کمپنی کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو وہاں، اجازت کے بغیر جانا گویا شریعت کی خلاف ورزی ہے، شریعت نے اجازت لینے کی جو ہدایت کی ہے اس کا اصل مقصد لوگوں کو ایذاء رسانی سے بچانا اور حسنِ معاشرت کے آداب سکھانا ہے۔

ٹیلیفون پر ملاقات کے آداب

اسی طرح کسی شخص کو ایسے وقت پر ٹیلیفون کرنا جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو جائز نہیں، کیونکہ اس سے مخاطب کو تکلیف ہوگی، جو کسی کے گھر میں بغیر اِجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے کے برابر ہے، ٹیلیفون پر بات کرنے کے لئے پہلے ہی سے مخاطب سے اس کی سہولت کا وقت دریافت کرلیا جائے پھر اس کی پابندی کی جائے، ٹیلیفون پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کیا جائے کہ وہ فرصت میں ہے کہ نہیں، کیونکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعًا مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کیا جائے کہ کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے؟ اس لئے باوجود اپنی مصروفیات کے سب کام چھوڑ کر ٹیلیفون اُٹھاتا ہے، اس وقت اگر مخاطب کی مصروفیات کو جانے بغیر ہی طویل گفتگو شروع کردے تو مخاطب کو تکلیف ہوگی۔

اِسی طرح بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور کوئی پروا نہیں کرتے اور نہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کون ہیں اور کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یا ٹیلیفون کا ریسیور الگ اُٹھا کر رکھ دیتے ہیں، یہ اسلامی اخلاق کے خلاف بھی ہے اور بات کرنے والے کی حق تلفی بھی، عام طور پر کھیل تماشے یا ڈرامے وغیرہ ٹی وی پر دیکھتے وقت اکثر لوگ ٹیلیفون نہیں اُٹھاتے، حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص تمہاری ملاقات کو آئے اس کا تم پر حق ہے کہ اس سے تم بات کرو اور بلا ضرورت ملاقات سے انکار نہ کرو، اِسی طرح جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔

بعض لوگ موبائل پر نمبر یا نام آجانے سے دیکھ کر اور پہچان کر بات ہی نہیں کرتے، گھنٹی بجنے چھوڑ دیتے ہیں، یا بعض لوگ قرض لیکر یا کوئی وعدہ کر کے موبائل بند (Off) رکھتے ہیں یا بات ہی نہیں کرتے یا بعد میں کوئی بہانہ بنا کر جھوٹ بولتے ہیں، یہ بھی غیر اخلاقی و بدتمیزی کی بات ہے اور دوسروں کو تکلیف دینا ہے۔

اِسی طرح دوسروں کے خطوں کو اِجازت کے بغیر پڑھنا بھی اِسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور یہ بہت بڑی بددیانتی، بداخلاقی اور بدتمیزی کی بات ہے۔

مَصَافَحَہ

مصافحہ بھی سلام ہی کا ایک حصہ ہے: ملاقات کے وقت محبت ومسرت کے اظہار کا دوسرا ذریعہ مصافحہ ہے، اس سے سلام کے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے، اس لئے اسلام نے اس کو بھی ملاقات کے وقت مسنون قرار دیا ہے۔

سلام کا تکملہ ہاتھ کا پکڑنا یعنی مصافحہ کرنا ہے، آپؐ نے اس کو مسلمانوں کے درمیان محبت اور اتحاد کا ایک ذریعہ قرار دیا، جو مصافحہ محبت پیدا کرنے کی خاطر نہ ہو وہ مصافحہ سنت نہیں کہلائے گا اور نہ اس پر کوئی اجر وثواب مرتب ہوگا۔ (مشکوۃ شریف)

مصافحہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بھی ہے: حضرت حذیفہ بن یمانؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب دو مسلمان ملتے ہیں اور سلام کے بعد مصافحے کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے (سوکھے) پتے"۔ (طبرانی)

مصافحہ کے آداب: مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا بہتر ہے، اگر ایک ہاتھ سے کیا جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ مسنون طریقہ یہی ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے کیا جائے یا پھر بحالت مجبوری ایک ہاتھ سے جائز ہے۔

جب تک دوسرا شخص مصافحہ کے بعد اپنا ہاتھ الگ نہ کرلے اس وقت تک اپنا ہاتھ الگ نہیں کرنا چاہئے، مرد کا نامحرم عورت کے ساتھ مصافحہ کرنا حرام ہے، اس سے شہوت بھڑکنے کا

اندیشہ ہے، ایک شوہر اپنی بیوی سے مصافحہ کرسکتا ہے، مصافحہ ملاقات کے فوراً بعد یا اخیر میں رخصت ہوتے وقت سنت قرار دیا گیا ہے، یعنی روانگی اور واپسی دونوں پر مصافحہ ثابت ہے، (امداد الفتاویٰ: ۴۹۲) اکثر لوگ مصافحہ میں ادب واحترام کو ملحوظ نہیں رکھتے اور محبت کے جنون میں بے وقت مصافحہ کر کے ایذاء پہنچاتے ہیں جو ناجائز ہے، جس وقت جماعت کا جماعت سے سابقہ پڑ جائے تو مصافحہ کی نوعیت مثل سلام ہو جائے گی، یعنی جیسے فردِ واحد کا سلام اور جواب سلام پوری جماعت کی جانب سے شمار ہوتا ہے، ایسا ہی مصافحہ بھی اگر ایک شخص کر لے تو وہ سب کی طرف سے کافی ہے۔

فجر وعصر کے بعد مصافحہ کا خصوصی اہتمام شریعت سے ثابت نہیں!

مساجد میں خاص طور پر فجر اور عصر کی نماز اور دُعا کے بعد نمازی جو آپس میں مصافحہ کرتے ہیں وہ سنت سے ثابت ہی نہیں، غور کیجئے کہ کسی نماز کے بعد یہ عمل نہیں کیا جاتا، صرف فجر اور عصر ہی میں مصافحہ کا اہتمام ہوتا ہے، یہ ایک رسم ہے جو علم کی کمی کی وجہ سے کسی کسی علاقہ میں پائی جاتی ہے۔

مصافحہ پر دُعاء کا اہتمام: مصافحہ درحقیت سلام ہی کا تکملہ اور تتمہ ہے، اسی بنا پر بوقتِ مصافحہ کوئی دُعا وغیرہ پڑھنا مسنون ومستحب ہے، اس دُعا میں اللہ پاک کی حمد وثنا اور مغفرت ورحمت کی طلب ہو مثلاً يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہاری اور ہماری مغفرت فرمائے) کہنا سنت ہے اور یہ سن کر دوسرا شخص آمین کہے، اگر کوئی سفر پر جارہا ہے تو اس کو رخصت کرتے وقت جو مصافحہ ہوتا ہے اس میں فِی اَمَانِ اللّٰهِ (اللہ امان میں رکھے) جیسے دعائیہ کلمات بھی بولے جاسکتے ہیں، مریض کی عیادت کی تکمیل یہ ہے کہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا جائے۔

غیر مسلم سے مصافحہ: کافر ومشرک اور تمام وہ انسان جو راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہوں، قبولِ اِسلام سے قبل مصافحہ کے اہل نہیں سمجھے جائیں گے، کیونکہ مصافحہ دو مسلمانوں کے درمیان مسنون قرار دیا گیا ہے اور جب بھی ایک جانب ایمان سے خالی ہوگی تو مصافحہ کی

سنت کی حیثیت ختم ہو جائے گی، مجبوری کی شکل میں اگر غیر مسلم سے ہاتھ ملانا ہی پڑے تو دل میں مصافحہ کی عظمت کی نیت نہ ہو بلکہ غیر مسلم کو غیر مسلم سمجھتے ہوئے ایک ہاتھ ملایا جائے، اگر رواج عام ہو تو مجبوری ہے۔

مصافحہ اور تحفہ سے محبت بڑھتی ہے: ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مصافحہ کیا کرو یعنی ہاتھ ملایا کرو، اس سے کینہ دور ہوگا اور تحفہ دیا کرو کہ اس سے محبت پیدا ہوگی اور بخل دور ہوگا۔ (مؤطا امام مالکؒ)

موجودہ معاشرے میں یہ بھی دیکھا گیا کہ لوگ مصافحہ تو کرتے ہیں مگر بڑی بے دلی کے ساتھ اور وہ بھی ایک رسمی انداز پر، اور اکثر یہ بھی دیکھا گیا کہ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کو سلام ضرور کرتی ہیں مگر مصافحہ کی عادی نہیں ہوتیں، عورتیں عورتوں کے ساتھ مصافحہ کا اہتمام ضرور کریں، اکثر مسلمان آپس میں تحفے بھی دیا کرتے ہیں مگر وہ تحفے محبت پیدا کرنے کی خاطر نہیں دئے جاتے بلکہ رسم ورواج یا دوسرے کے تحفے کے بدلے میں جاتے ہیں، یاد رکھئے کہ ایسے رسمی انداز کے تحفے دینے کی وجہ سے آپس میں محبت نہیں بڑھتی اور اکثر لوگ شادی بیاہ اور دوسری تقاریب میں کوئی مہمان آکر تحفہ نہ دے تو انتہائی بُرا بھی مانتے ہیں، رسم ورواج کی خاطر تحفہ دینا غیر اِسلامی ہے اور نہ اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔

مُعانقہ

جیسے مصافحہ نام ہے باہم ہاتھ ملانے کا، ٹھیک اسی طرح معانقہ نام ہے ایک دوسرے سے بغل گیر ہونے کا، جب مسلمان سلام ومصافحہ کے بعد معانقہ کرتا ہے تو اس وقت سینے کا سینے سے قریب ہونا بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، سب سے پہلے سلام کے ساتھ ہی اپنے بھائی سے انس اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر مصافحہ کے ساتھ ہی کینہ دور ہو کر اپنائیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد معانقہ سے تو دلوں کی ساری عداوتیں اور بغض کی صفائی ہو جاتی ہے اور قلب صاف وشفاف ہو جاتا ہے، اخوت وبھائی چارگی کے جذبات پرورش پانے لگتے ہیں، پس ہمیں اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہم کو اسلام کے صدقہ میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سلام، مصافحہ اور معانقہ جیسی زبردست نعمتیں عطا فرمایا۔

دنیا کی کسی قوم کے پاس ملاقات کا ایسا نظام نہیں، وہ صرف چند الفاظ کہہ کر گذر جاتے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اسلام کے اس کلچر کو اختیار کر کے دوسری قوموں کے سامنے نمونہ اور مثال بنیں اور دوسری قوموں کو اِسلام کی یہ خوبیاں اور حکمتیں سمجھائیں اور انہیں بتائیں کہ ان کی ملاقاتوں اور ہماری ملاقاتوں میں کتنا بڑا فرق ہے؟ اور حقیقی فائدہ کس مذہب کو اختیار کرنے میں ہے؟ غرض معانقہ دلوں کے فاصلوں کو قریب سے قریب تر کرنے میں بہت بڑا رول ادا کرتا ہے، معانقہ ایک وقت میں ایک ہی مرتبہ کرنا چاہئے، بار بار یا تین مرتبہ گلے ملنے کو ضروری سمجھنا جہالت اور رسم ہے، اکثر لوگ عید کے موقعوں پر یا شادی کی تقاریب میں یا کامیابی اور ترقی ہونے پر تین تین بار گلے ملتے ہی رہتے ہیں، یہ معانقہ نہیں صرف ایک رسم ہے، معانقہ تو ملاقات کے ساتھ ہی کرنا چاہئے، کوئی دوست، عزیز یا بزرگ یا اولاد آئے تو معانقہ بھی کرنا چاہئے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت زید بن حارثہؓ مدینہ پہنچنے کے بعد حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے لگایا اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کرنے یا اپنے خلوص کا اظہار کرنے کے لئے ان کی پیشانی یا کندھے یا ہاتھ کا بوسہ لینا چاہئے، بچوں سے محبت کا اظہار کرنے ان کی پیشانی کو بوسہ لیں یا گال کا بوسہ لیں اور دعائیہ کلمات کہیں۔

عورت کو کسی اجنبی مرد سے گلے ملنے کی اِجازت نہیں ہے، عورتیں عورتوں کے ساتھ معانقہ کریں، بالغ ہونے کے بعد شوہر کے علاوہ کسی بھی محرم سے لڑکیوں کے لئے گلے ملنا جائز نہیں، اکثر شادیوں کے موقعوں پر بھائی اپنی بہنوں کو رخصت کرتے وقت یا عید کے موقعوں پر نوجوان ماڈرن بھائی بہن، گلے ملتے ہیں جو ناجائز اور جہالت ہے، میاں بیوی کو اجازت ہے کہ آپس میں معانقہ کریں، اس میں نہ کوئی کراہیت ہے اور نہ فساد، مگر شرم وحیا کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، بے حیائی کا ماحول پیدا نہ ہونے دیں اور نہ کھلے عام بچوں اور گھر کے دوسرے افراد کے سامنے معانقہ نہ کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی صاحبزادی

فاطمہؓ کے ہاتھ کا بوسہ لینا ثابت ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولاد سے جو محبت ہوتی ہے وہ ایک فطری چیز ہے، اس لئے اولاد کے دل میں انس اور محبت پیدا کرنے اور اپنی محبت کے اظہار کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں کو چوما اور ساتھ ہی ساتھ دعائیہ کلمات بھی ارشاد فرمائے۔

باپ اور بھائی کو چاہئے کہ چھوٹی بہنیں اور بیٹیاں جب بڑی ہو جائیں یعنی جوان ہو جائیں تو ان کے ساتھ شفقت اور محبت جتانے کے لئے ان کے گال کا بوسہ نہ لیں بلکہ پیشانی یا ہاتھ کا بوسہ لے سکتے ہیں، حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو وہ استقبال فرماتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو بوسہ دیتی تھیں، ملاقات پر ہاتھ یا پیشانی کو بوسہ دینا جائز ہے، مگر ایک دوسرے کے منھ کا بوسہ لینا اور انگریزوں کی طرح گال کو گال لگانا مکروہ ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں ملتے تو مصافحہ کرتے اور اگر سفر سے واپس آتے تو معانقہ کرتے، (طبرانی)

جب کسی کے پاس ملاقات کے لئے جائیں تو کبھی کبھی مناسب تحفہ بھی ساتھ لے جانا چاہئے، اس سے محبت بڑھتی ہے۔

غلامی، بندگی اور تعظیم کی خاطر کھڑے ہونے کی ممانعت

دوسری قوموں میں ملاقات اور مجلس کے وقت بعض مشرکانہ قسم کے آداب رائج تھے، اسلام نے ان کو یک قلم منسوخ کر دیا، ایک طریقہ یہ تھا کہ لوگ محبت کے بجائے غلامانہ اور بندگی کی ذہنیت سے اپنے امیروں اور بادشاہوں کے لئے کھڑے ہوتے تھے، بڑے اور امراء بھی اگر ان کے ماتحتوں کھڑے ہو کر ان کا ادب بجانہ لاتے تو وہ بھی ناراض ہوتے اور اپنی بے عزتی سمجھتے تھے، لیکن اسلام نے اس سے منع فرمایا اور حضور نے مسلمانوں کو اس ذہنیت کے ساتھ کھڑے ہونے کو منع فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''خدا کی تعظیم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان (اس میں ماں باپ بھی شامل ہیں) عالم قرآن (جو قرآن سے بے تعلق نہ

ہو) اور حاکم (جو انصاف پسند ہو) کی عزت کی جائے۔(ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بی بی فاطمہؓ کے پاس تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہؓ آپؐ کی تعظیم کے لئے کھڑی ہوجایا کرتی تھیں، اسی طرح جب کبھی حضرت فاطمہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لاتیں تو حضور ﷺ بھی اُن کی آمد پر اُٹھ کھڑے ہوتے اور اُن کے ہاتھوں کو چوم کر اپنے پہلو میں بٹھایا کرتے، نیک لوگوں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا انہیں ایک تحفہ دینے کے برابر ہے اور گنہگار کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے، غرض کسی محبوب ومحترم شخص کو آتے ہوئے دیکھ کر جوش ومحبت اور اظہار خوشی میں کھڑا ہوجانا ممنوع نہیں اور اس قسم کے موقعوں پر خوش آمدید کے الفاظ مثلاً مرحبا کہنے کی مثال بھی شریعت میں موجود ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کسی قوم کا بزرگ آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی تعظیم کرو، ایسی تعظیم دلوں میں محبت اور دوستی کے جذبات پیدا کرتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک بوڑھا شخص حضور ﷺ کی تلاش کرتا ہوا مجلس نبویؐ میں آیا تو لوگوں نے بیٹھنے کے لئے اس کو جگہ دینے میں دیر کی، حضور ﷺ نے فرمایا اس شخص کا ہم سے کوئی تعلق نہیں جو (بڑا ہوکر) ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور (چھوٹا ہوکر) بڑے کی عزت نہ کرے۔(ترمذی)

کشادہ پیشانی سے ملاقات کرنی چاہئے

ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! لوگوں کو حقیر مت سمجھو، خواہ (غریب یا ان پڑھ) ہی ہوں، تم اپنے بھائی سے کشادہ پیشانی سے ملاقات کرو، اور جب سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال دو اور اپنے ہمسایہ کو بھی اس میں سے ایک دو چمچے دے ڈالو۔(ترمذی)

اس حدیث کو سامنے رکھ کر ہم کو اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ ہمارے موجودہ معاشرے میں اکثر مسلمان اسلامی تعلیمات سے واقفیت نہ ہونے اور غیر مسلموں کی نقالی کرتے ہوئے آپس میں امیر غریب، کالا گورا، عربی عجمی، پڑھا لکھا اور ان پڑھ اپنا اور غیر کا احساس رکھ کر ملاقات کرتے ہیں اور بعض تو غیر مسلموں کی طرح غریب انسانوں کو اپنے سامنے بیٹھنے ہی کے

قابل نہیں سمجھتے، ان کو کرسی وغیرہ تک نہیں دیتے، غلاموں کی طرح کھڑا کر کے بات کرتے ہیں یا خود تو کرسی اور صوفے پر پیر لمبے کر کے بے ادبی کے ساتھ بیٹھتے اور دوسرے غریب انسانوں کو اپنے سامنے زمین پر یا پیروں کے پاس بیٹھا کر بات کرتے ہیں اور بعض تو کمرے میں آنے کی اِجازت تک نہیں دیتے، جوتے چپل کی جگہ بیٹھا کر یا پھر صرف دروازے میں کھڑا کر کے بات کرتے ہیں، یہ انتہائی متکبرانہ، ناشائستہ اور غیر اسلامی تمدن کی علامت ہے، اگر ہماری زندگی اسلامی تہذِیب کے خلاف ہو اور ہم اپنے آقا ﷺ کے طریقوں کو چھوڑ کر غیر مسلموں کی طرح زندگی گذاریں گے تو پھر اسلام کو دوسروں تک کیسے پہنچائیں گے؟ اور ایک انسان کو مسلم اور غیر مسلم زندگی کا فرق کیسے بتلائیں گے؟ غریبوں اور خدمت گذاروں کے ساتھ تو اسلام کے قانون مساوات کو ظاہر کرنے کا بہت اچھا موقع ہوتا ہے، آخر یہ دولتمند اسلامی قانون مساوات کا اظہار غریبوں کے ساتھ نہیں تو پھر کس کے ساتھ کریں گے؟ انہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ دولتمند بنا کر اسلامی مساوات پر عمل کرنے کا موقع فراہم کیا جارہا ہے۔

سادگی ایمان کی علامت ہے

ایک روایت جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سنتے نہیں، کیا تم سنتے نہیں، سادگی (ہی) ایمان ہے۔ (ابوداؤد)

ایک اور روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لئے انکساری کرے، اللہ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔ (مسلم) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ رؤف ورحیم ہے، مہربان ہے وہ نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی ومہربانی پر اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کو نرمی سے حصہ دیا گیا ہے اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی دی گئی ہے اور جس کو نرمی سے محروم رکھا گیا ہے اُسے دنیا اور آخرت کی بھلائی سے محروم رکھا گیا ہے، ابوداؤد کی حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کامل اپنی نرمی اور خوش خلقی کے ذریعہ

رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

بعض دولتمند ایسے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی غریب مسلمان سلام کرتا ہے تو وہ اس کے سلام کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے اور بغیر سلام کا جواب دیئے گفتگو شروع کر دیتے ہیں اور پھر اُن غریب انسانوں کو حقیر سمجھتے ہوئے ذلیل طریقہ سے اُن کو مخاطب بھی کرتے ہیں، اُس کے برعکس اگر ان کے پاس ان سے زیادہ دولتمند یا بڑے عہدے والا آ جائے تو اس کی اتنی عزت کی جاتی ہے کہ دوڑتے ہوئے جا کر اس کی موٹر کا دروازہ کھولتے اور کمر برابر جھک کر سلام ہی سلام کرتے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے دروازے میں سب سے پہلے مہمان کو داخل کرتے اور اُن کی برابری میں بیٹھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور نوکر سے پہلے خود ہی ان کی ضیافت کے لئے اُٹھتے اور رخصتی پر ان کو دروازے تک چھوڑنے بھی جاتے ہیں، غور کیجئے غریب کے ساتھ ایک سلوک اور دولتمند کے ساتھ دوسرا سلوک، آخر یہ کس کی اتباع ہے؟ ایسے لوگ دولتمند اور بڑے عہدے والوں کو اپنے ساتھیوں کے سامنے سلام کر کے اپنے تعلقات کا احساس دلاتے اور اپنے آپ کو بڑی سوسائٹی والا ظاہر کرتے ہیں اور اگر دولت مند غریب ہو جائے یا وظیفہ پر علٰحدہ ہو جائے، پھر دوبارہ اُن کے گھر آئے تو اس کے ساتھ سلوک تو سلوک ملنا بھی گوارا نہیں کرتے یا وہ راستے میں نظر آ جائے تو بالکل انجان بن کر گذر جاتے ہیں، ایسے لوگ جس کے پاس دولت دیکھتے ہیں اُسی کی عزت کرتے ہیں۔

میل جول بڑھانا اللہ کو پسند ہے!

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کی عیادت کرنے یا اس سے ملاقات کرنے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مبارک ہے تو اور تیرا جانا! تو نے جنت میں گھر بنا لیا ہے، (ترمذی)

اب موجودہ زمانہ کے معاشرے پر غور کیجئے کہ اکثر مسلمان پڑھ لکھ کر، ماڈرن کلچر اختیار کرتے ہوئے فیشن پرست بن جاتے ہیں اور دولتمند ہونے کے ناطے محلّہ میں کسی غریب سے ملاقات ہی نہیں کرتے یا پھر اپنے برابر ہی کے لوگوں سے ملنا مناسب سمجھتے ہیں اور بعض

تو پیسہ خوب کمانے کے بعد دولتمندوں کی آبادیوں میں شہر سے دور بڑے بڑے مکانات بنا کر زندگی گذارتے ہیں اور اپنے محلّہ اور بستی کو بالکل رہنے کے قابل نہیں سمجھتے اور وہاں کے لوگوں کو جاہل جنگلی تصوّر کرتے ہیں، دولتمند علاقوں کے لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ نہ کوئی ایک دوسرے سے ملتا اور نہ دوستی کرتا ہے، آج کل بڑے لوگوں کی تہذیب کی یہ ایک علامت بن گئی ہے، اکثر کو یہ بھی نہیں معلوم رہتا کہ ہمارے علاقے میں کون کہاں رہتا ہے؟ بس شام ہوتے ہی سناٹا طاری ہوجاتا ہے، کوئی سڑک پر نظر نہیں آتا، بڑے بڑے عہدے والے اگر نماز کے پابند بھی ہوں تو اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور ایسے لوگوں کے علاقے میں میت ہوجائے تو محلے کا ایک آدمی بھی میت میں شریک نہیں ہوتا، بہت ہی مختصر لوگ میت میں شریک ہوتے ہیں، لوگوں سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے مصیبت کے وقت پڑوس کا کوئی آدمی بھی مدد کے لئے نہیں دوڑتا، چورڈا کو اپنا کام تمام کر کے چلے جاتے ہیں، صبح محلے والوں کو اطلاع ملتی ہے، ایسے علاقوں میں اکثر لوگ بے حسی اور خودغرضی کی زندگی گذارتے ہیں، بعض لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ لوگ ان سے ملنے آئیں، ساتھ ہی یہ مزاج بھی ہوتا ہے کہ وہ خود دوسروں کے پاس جا کر ملنا پسند نہیں کرتے اور اگر کسی سے کچھ کام پڑ بھی جائے تو اس کو اپنے کام کی خاطر اپنے ہی گھر بلا کر بات کرتے ہیں، یہ اسلامی مزاج کے خلاف ہے بلکہ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کے خلاف دوسروں کے پاس بھی جایا کریں اور اسلامی مساوات وحسن اخلاق کا نمونہ پیش کریں۔

مسلمانوں کی تکفیر اور اُن پر لعنت گناہ ہے!

ثابت بن ضحاکؓ کہتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان پر لعنت بھیجنا اسے قتل کرنے کے مانند ہے اور مسلمان پر کفر کا الزام لگانا (بھی) اسے قتل کرنے کی مانند ہے۔ (بخاری)

اسلام، انسانوں کے درمیان انس ومحبت پیدا کر کے خودغرضی دُور کر کے بھائی چارگی پیدا کرنے کی ترغیب دلاتا ہے، مگر موجودہ زمانے میں علم کی کمی کی وجہ سے دیکھا جارہا ہے کہ اکثر

مسلمان ملاقات کے درمیان دوسرے مسلمانوں پر لعنت بہت کرتے ہیں، اگر کسی علاقے کے مسلمانوں پر فساد زلزلہ، طوفان یا قحط جیسے حالات پیدا ہوجائیں تو فوراً دوسرے علاقے کے مسلمان ان کے گناہ کی فہرست گننا شروع کردیتے ہیں اور انکا ذکر لعنتی انداز میں شروع ہوجاتا ہے اور خود بے حس بنے رہتے ہیں، حالانکہ جب بھی ایسے حالات پیدا ہوں تو دوسرے علاقے کے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے ایمان والے بھائیوں کی مصیبت دور ہونے کے لئے دعا اور ان کی مدد کرنے کی فکر کرنا چاہئے اور یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ آخر یہ حالات ان پر کیوں آرہے ہیں؟ اگر ان میں دین سے دُوری ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ آخر مسلمان دن بہ دن اسلام سے دور کیوں ہو رہے ہیں؟ مسلمانوں کی آبادی کا وہ طبقہ جو محنت مزدوری کرتا ہے اُن کے اندر ایمان و یقین پیدا کرنے اور بداعمالیوں کو دور کرنے اور ان کی نئی نسلوں میں دین پیدا کرنے کے لئے کوئی انتظام کیا گیا ہے یا نہیں؟ اگر ایک مسلمان بلاسودی قرض لینا چاہے تو کیا کوئی ایسا بنک ادارہ قائم کیا گیا ہے جہاں بغیر سود کے قرض دیا جاتا ہے؟ اگر ایک باپ اپنے بچے کو سرکاری تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم دلانا چاہتا ہے تو معاشرے میں کوئی ایسا اسکول ہے جہاں سرکاری تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم بھی دی جاتی ہو؟ اسی طرح یہ بھی سوچنا چاہئے کہ مسلمان مرد تو ہر جمعہ کو مسجدوں میں کچھ نہ کچھ وعظ ونصیحت کی بات سن لیتے ہیں، مگر کیا کوئی ایسا نظام بھی کیا گیا ہے جہاں عورتوں میں کچھ وعظ ونصیحت کی باتیں ہو؟ تاکہ وہ بھی مردوں کی طرح کچھ نہ کچھ نصیحت سنتی رہیں، اکثر انسانوں میں ایمان کا شعور ہی نہیں، مگر ان کو اسلام کی ترغیب دی جاتی ہے، سوچئے اگر یہ سب کچھ انتظام نہ ہوگا تو یقینی طور پر معاشرہ میں برائی پھیلے گی، ہم کو تو لعنت ملامت کرنے کی بجائے مسلمانوں کی ایمانی اور روحانی حفاظت کا انتظام کرنا چاہئے، اکثر ماں باپ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم کے مدارس نہ ہونے کی شکایت کرتے ہوئے مجبوراً اپنے بچوں کو مشین اسکولس میں پڑھاتے ہیں، غور کیجئے بچہ وہاں سے کس کا کلچر لیکر آئے گا؟ وہ اسلام پسند کہاں رہے گا؟ اس لئے ہم کو اسلامی کلچر کے دنیوی وعصری اسکول بھی قائم کرنا چاہئے، افسوس! ہم ان چیزوں پر غور کئے بغیر مسلمانوں کی بداعمالیوں پر بس لعنت ہی

لعنت کرتے ہیں۔

دوسروں کی تکلیف پر خوش نہ ہونا چاہیئے: حضور ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی کی تکلیف پر خوشی کا اظہار نہ کرو، خدا اُسے تو آرام دے گا اور تمہیں دکھ میں مبتلا کر دے گا۔ (ترمذی)

مسلمانوں کو خطرہ میں دیکھ کر کنارہ کشی کی مذمت

حضرت جابرؓ وابو طلحہؓ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جس مسلمان نے کسی مسلمان کو ایسے موقع پر چھوڑ دیا جہاں اس کی عزت خراب ہو رہی ہو اور آبروریزی کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے (یعنی بے حس مسلمان کو) وہاں رسوا کرے گا جہاں اسے اللہ کی مدد کی خواہش ہے اور جو مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد کرے گا ایسی جگہ جہاں اس کی عزت خراب ہو رہی ہو اور آبروریزی کی جارہی ہو تو خداوند تعالیٰ اس کی مدد اس جگہ کرے گا جہاں اسے اس کی مدد کی خواہش ہے۔ (ابوداؤد)

ایمان کا افضل مرتبہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوذر ایمان کی کونسی شاخ زیادہ مضبوط ہے؟ عرض کیا اللہ اور اللہ کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا دوستی رکھنا صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے۔ (مشکوۃ)

صفاتِ الٰہی پر شاندار کتابیں

موجودہ زمانہ میں بچوں کو اللہ کی پہچان کرائے بغیر دینی تعلیم دی جارہی ہے جس کی وجہ سے وہ حقیقی وشعوری ایمان سے خالی نظر آتے ہیں، ان کو تقلیدی، خاندانی، نسلی اور بے شعوری والا ایمان مل رہا ہے، صرف وضو، غسل، نماز اور روزہ کا پابند بنانے یا مسائل سکھانے سے حقیقی اور شعوری ایمان پیدا نہیں ہوتا، ان کو باقاعدہ بچپن سے کائنات میں غور وفکر کروا کر اللہ کی صفات سمجھاتے ہوئے اللہ کی پہچان کرائیے اور شعور کے ساتھ دینی تعلیم ویسے دیجئے جیسے نومسلموں کو دی جاتی ہے، صرف چند چیزیں زبانی یاد دلانے سے ایمان پیدا نہیں ہوتا، اللہ کی پہچان حاصل کئے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا اور اللہ کی صفات کو سمجھے بغیر اللہ کی پہچان حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اپنی نسلوں میں اسلام کو زندہ اور باقی رکھنا ہو تو تعلیم الایمان کے تمام حصے پڑھئے اور پڑھائیے۔